رمضان کیا ہے؟

تالیف

مولانا محمد عبد اللہ صاحب دہلوی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان



يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ

رمضان کیا ہے؟

جس میں نہایت آسان اور عام فہم زبان میں رمضان کی فضیلت واہمیت، روزے کے فضائل واحکام، اس کی فرضیت کی تاریخ، اس کے دینی اور دنیوی فائدے اور حکمتیں، تراویح، عشرۂ اخیرہ کے فضائل، شب قدر کی پہچان، اعتکاف، صدقۂ فطر، عیدین، نفلی روزے اور ان کے علاوہ اور بہت سی ضروری چیزوں کا مفصل اور تحقیقی بیان ہے۔

تالیف

مولانا محمد عبداللہ صاحب دہلوی

ناشر

مکتبہ نورِ رحمت بلڈنگ بستی حضرت نظام الدینؒ نئی دہلی ۱۳

بارِ اوّل	ایک ہزار
صفحات مع فہرست	۱۹۲
سنِ طباعت	ربیع الاول ۱۳۸۹ھ
	مطابق مئی ۱۹۶۹ء

ناشر

مکتبۂ نور۔ رحمت بلڈنگ بستی حضرت نظام الدینؒ

نئی دہلی ۱۳

قیمت مجلد مع گرد پوش	دو روپے

(مطبوعہ:۔ جمال پرنٹنگ پریس دہلی)

اے ایمان والو!

"تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں
جس طرح تم سے پہلی اُمتّوں پر فرض
کئے گئے تھے، اس سے اُمید ہے کہ
تم پرہیزگار بن جاؤ گے۔"

(قرآنِ حکیم)

انتساب

والدِ بزرگوار حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب میرٹھی ثم دہلوی دام مجدہم کے نام جن کی مجاہدانہ کوششوں کے نتیجہ میں ہند و بیرونِ ہند کے ہزارہا انسانوں کو شریعت کی سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق ملی اور الحمد للہ مل رہی ہے۔

فہرست مضامین



تعارف

اہلِ علم کی ایک مجلس کے تاثرات

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دام مجدہم مہتمم دارالعلوم دیو بند کے یہاں اہلِ علم کی ایک مجلس میں زیرِ نظر رسالہ "رمضان کیا ہے؟" پہنچا حضرت قاری صاحب موصوف نے ہاتھ میں لیا اور

فہرست دیکھ کر فرمایا —— فہرست سے تو بہت بالغ نظری معلوم ہوتی ہے
ایک دو صفحہ دیکھ کر فرمایا —— بہت دلچسپ اندازِ بیان ہے۔
۶-۷ صفحات دیکھ کر فرمایا —— بہت اچھی معلومات ہیں۔
۱۰-۱۲ صفحات دیکھ کر فرمایا —— بہت اچھا لکھا ہے ماشاء اللہ۔
۲۵-۳۰ صفحات دیکھ کر فرمایا —— بہت ہی اچھا لکھا ہے۔

اس کے بعد کتاب کا اکثر حصہ حرف بحرف دیکھا۔ پھر ایک دوسرے بزرگ نے لیکر دیکھا اور بولے "واعظانہ انداز ہے"! حضرت قاری صاحب مدظلہٗ نے فرمایا "واعظانہ بھی ہے، مربیانہ بھی، عالمانہ بھی۔ آج کل کی ہماری زبان میں بہت سی حقیقتوں کو بڑے اچھے انداز سے سمجھایا ہے" ایک دوسرے مدبّر عالم بولے "انکی (مولّف کی) گفتگو قانونی ہوتی ہے۔ ان کے پاس شکنجے ہیں مخاطب نکل نہیں سکتا ہے، کہ گویں! کیا کتابیں سیلم میں مطالعہ کو ملجاتی ہیں؟" ایسے جملوں پر مہتمم صاحب مدظلہٗ بھی کچھ فرمایا کئے اور پھر رسالہ کو لے کر خلوت خانہ میں چلے گئے اور بڑا بلیغ مقدمہ تحریر فرما کر زینت و عزت بخشی۔

مقدمہ

(از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دام مجدہم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ امابعد رسالہ نافعہ "رمضان کیا ہے؟" مؤلفہ عزیز محترم مولانا محمد عبداللہ ابن حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب میرٹھی ثم الدہلوی زید مجدہما احقر کے سامنے ہے اور میں حظ لے لے کر اس سے مستفید ہو رہا ہوں۔ عبارت کی روانی وسلاست، مضامین کی بلندی و رفعت اور عنوان وبیان کی فصاحت وبلاغت نے رسالہ کو اس قدر دلچسپ بنا دیا ہے کہ ہر پچھلی سطر اگلی سطر تک گویا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہے کہ اُسے پڑھا جائے ایسے نوجوان عالموں کا ایسے دَورِ قحط الرجال میں وجود بہت کچھ امید افزا اور روشن مستقبل کی دلیل ہے۔ رسالہ کا موضوع روزہ ہے جو اسلام کی ایک اہم ترین بنیادی عبادت ہے بلکہ بہت سی عبادتوں کا موقوف علیہ —— وجہ یہ ہے کہ

حق تعالیٰ کی لامحدود صفات کمال اصولاً دو نوعوں میں منقسم ہیں۔ ایک صفاتِ جلالی جو قہری صفات ہیں جن کا سرچشمہ اس کی ملوکیت واقتدار ہے کہ شاہِ عالمین ہے۔ یکہ وتنہا تمام جہانوں کا مالک اور حکمراں ہے، ذرّے ذرّے پر قابض اور متصرف ہے اور کوئی ذرّہ اس کے حیطۂ اقتدار اور حکم سے باہر نہیں جا سکتا۔

دوسری صفات جمالی ہیں جن کا سرچشمہ رحمت ہے کہ وہ رحمٰن ورحیم ہے

محسن و منعم ہے، رزاق و فتاح ہے، ہادی و رب ہے جس کی ربوبیت سے کوئی تنکا بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یہ سب صفات اُس کی رحیمی اور رحمانی سے نمایاں ہو رہی ہیں اور اس جمالات سے ساری کائنات جگمگائی ہوئی ہے۔

یہی دو نوع صفات ہیں جن کے حقوق بندوں پر عائد ہوتے ہیں۔ سو اُس ذاتِ بابرکات کے حاکمانہ اقتدار اور ملوکانہ جلال کا حق تو یہ ہے کہ بندہ سراپا نیاز و اطاعت بن کر کمالِ فہم و عقل کے ساتھ آدابِ شاہی بجالائے اور اپنی غلامی اور بندگی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی انتہائی ذلت کے ساتھ اُس کی انتہائی عزت کرتے ہوئے ہر وقت سرِ نیاز خم کئے رہے اور اپنی ہمہ جہتی وفاداری کا بار بار ثبوت پیش کرتا رہے تاکہ اس کے کمالِ عقل و فہم کے جوہر کھل جائیں اور وہ ایک مزاج شناس اور وفادار غلام کی حیثیت سے دربارِ شاہی کے حاضر باشوں میں شمار کیا جانے لگے۔

اُدھر اُس ذاتِ اقدس کی جمالی صفات احسان و کرم، انعام و عطا، ربوبیت و ہدایت وغیرہ سے اس کا جو جمالِ جہاں آرا ذرے ذرے پر پڑا ہوا ہے اُس کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ سو جان سے اس کا عاشق بن کر اپنی جان و مال اور آبرو کی قربانی دے کر اس کی دہلیز پر نچھاور کر دے۔

اسلام نے صفاتِ جلال کے تقاضوں کے تحت حقوقِ نیاز و عبدیت بجالانے کے لئے تو نماز کا فریضہ رکھا جس کے ایک ایک فعل اور ایک ایک ہیئت سے ذلت و عاجزی، تواضع و سکنت، الحاح و زاری اور خشوع و خضوع کا ثبوت دیا جاتا ہے تاکہ بندہ کی بندگی مستحکم ہو جائے، بادشاہِ حقیقی اس پر مہربان ہو اور اس کی رضا کے دروازے اس پر کھل جائیں۔ ادھر صفاتِ جمال کے تقاضوں کے

تحت بندے کے عشق و محبت کے جذبات اُجاگر کرنے کے لئے حج کی عبادت رکھی جس کے ایک ایک فعل اور ایک ایک حرکت و سکون سے وارفتگی و ربودگی، جاں سپاری، محویت و فنائیت، ذوق و شوق اور استغراقِ محض کا ثبوت دیا جاتا ہے تاکہ اس بندۂ عاشق کا جوہرِ عشق نمایاں ہو اور اس کے صلے میں وصالِ محبوب نصیب ہو جائے اور اُس کی رضا ہی نہیں بلکہ وہی خود مل جائے۔

پس نماز کے ذریعے بادشاہِ عالمین کا قربِ کامل نصیب ہوتا ہے اور اس کے دربار میں تقربِ محبوبیت کی کرسی ملتی ہے اور حج کے ذریعے خود بادشاہ اور رفیقِ اعلیٰ سے الحاق نصیب ہوتا ہے۔ ایک سے بندے کی قوتِ علمیہ ترقی کرتی ہے اور ایک سے قوتِ عشقیہ اور یہی دو قوتیں انسانی سعادت کے دو بازو ہیں جن کو نماز اور حج مضبوط کرتے ہیں۔

اس لئے اسلام میں اصل عبادتیں یہی دو ہیں جن میں عبادت کی حقیقت یعنی غایت تذلل نمازمیں ہے۔

لیکن یہ دونوں عبادتیں اُس وقت تک بروئے کار نہیں آسکتی نہیں جب تک کہ اُن کے موانع مرتفع نہ ہوں۔ نماز میں مال دولت، گھر بار، باغ و مویشی، زمین اور سواریاں کھیتی باڑی وغیرہ کی محبت حارج تھی اور حج میں ان چیزوں کا اشتغال اور ان میں مصروفیت و محویت باعثِ رکاوٹ تھی سو حق تعالےٰ نے ان سامانوں کی محبت نکالنے کے لئے تو زکوٰۃ کا فریضہ مقرر فرمایا اور ان تمام ہی سامانوں میں درجہ بدرجہ زکوٰۃ کی مقداریں فرض فرمائیں۔ دفینے پر پانچواں حصہ، بارانی زمین کی پیداوار پر دسواں حصہ، آبپاشی کی زمین پر بیسواں حصہ، اموالِ تجارت پر چالیسواں

حصّہ، گھوڑے گدھے بیل، بکری، اونٹ گائے وغیرہ پر جو نسل بڑھانے یا تجارت کے لئے ہوں مدّد ہی زکوٰۃ رکھی تاکہ ان اموال کی محبت دل میں گھر نہ کرنے پائے۔ اور بادشاہِ عالمین کے دربار کی حاضری میں تقاعد اور سستی راہ نہ پائے۔ ادھر حج میں انہی مالوفات کا اشتغال حارج ہوتا تھا جس کا معظم ترین حصّہ کھانا پینا اور گھر بار ہے تو اُس کے لئے روزہ فرض فرمایا جس میں سب سے پہلے خورد و نوش اور لذائذ نفسانی پر پابندی عائد کردی جاتی ہے کہ یہ شہواتِ بطن و فرج محبوب کے گھر جانے میں سدِ راہ بنتی تھیں۔ رمضان شریف کے بیس دن جب اس مشق پر گزر جاتے ہیں تو آخر عشرے میں ایک قدم آگے بڑھا کر گھر بھی ترک کرا دیا جاتا ہے تاکہ عشرۂ آخرہ میں خدا کے گھر میں قیام کی سعادت میسر آجائے اور اللہ کے گھر سے قُرب کا سامان مہیا ہو جائے اور جب رمضان نے روزے اور اعتکاف کے ذریعے کھانا پینا، بیوی اور گھر در محدود کر دیا جس سے آدمی بیت اللہ سے قریب ہو سکے تو رمضان ختم ہوتے ہی اَشہُرِ حج[5] شروع ہو جاتے ہیں تاکہ گھر ہی میں وطن اور ملک بھی چھڑا کر دیارِ محبوب کی طرف پہنچا دیا جائے اور دیارِ محبوب کے دہانے یعنی میقات پر پہنچ گئے تو سِلا ہوا لباس جو ساری زینتوں کی جڑ ہے وہ بھی ترک کرا دیا جاتا ہے۔ غرض حج تُروک کی عبادت تھی تو اس کا مقدمہ روزے کو رکھا گیا کہ وہ بھی تُروک کی عبادت ہے اور اسی لئے روزے کو اشہرِ حج[5] سے متصل رکھا گیا۔

بہرحال حج جامع ترین عبادت ہے جس میں تروک کی عبادت کے ساتھ فعلی عبادت نماز کی بھی داخل ہے اور اس کی تکمیل رمضان کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے رمضان درحقیقت تمام عبادتوں کا موقوف علیہ نکلتا ہے جس سے اُس کی

[5] حج کے مہینے

بنیادی اہمیت ظاہر ہے۔

پھر رمضان درحقیقت صبر کا مہینہ ہے جس کی تفصیل اس رسالے میں بھی کی گئی ہے اور غور کیا جائے تو صبر ہی ساری عبادتوں کی بنیاد ہے۔ اگر آدمی سامانِ عیش سے صبر نہ کرے تو نماز کا وجود نہیں ہوسکتا۔ اگر گھر بار سے صبر نہ کرے تو حج رُونما نہیں ہوسکتا۔ اگر مال و دولت سے صبر نہ کرے تو زکوٰۃ کا وجود نہیں ہوسکتا۔ اور اگر نفس کے مالوفات سے صبر نہ کرے تو روزے کا وجود نہیں ہوسکتا پس قلب کی عبادتوں میں بنیادی عبادت صبر نکلتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے جہاں سے عبادات کے احکام کا بیان شروع کیا ہے اور جو پارۂ سیقول کا تیسرا رکوع ہے اس کا آغاز ہی استعینوا بالصبر والصلوٰۃ سے کیا ہے۔ یعنی بیانِ احکام کی ابتداہی میں صبر سے استعانت کا حکم دے کر اشارہ فرمایا ہے کہ عبادت کی جنس ہی صبر بغیر وجود پذیر نہیں ہوسکتی اور جبکہ رمضان اسی صبر کا مہینہ ہے تو اس سے صاف واضح ہے کہ روزۂ رمضان ام العبادات ہے جس کے بغیر دوسری عبادتوں کا وجود ممکن نہیں۔

اِس لئے عزیز موصوف کا ماہ رمضان پر قلم اُٹھانا ایک دانش مندانہ انتخاب ہے۔ پھر روزہ معظم ترین محبوباتِ نفس کے ترک کا نام ہے جو طبعاً انسان پر شاق ہوتا ہے اس لئے اُس کے مسائل و احکام کی طرف بھی توجہ مشکل ہی سے ہوسکتی تھی اور اندیشہ ہوسکتا تھا کہ اس مفید رسالے کی طرف عام افراد توجہ نہ کریں۔ لیکن مصنف موصوف نے اس خشک موضوع کو اپنے طرزِ بیان سے اس قدر دل آویز بنا دیا ہے کہ اُسے شروع کرنے کے

بعد ختم کئے بغیر آدمی رہ نہیں سکتا۔ حق تعالیٰ مؤلف ممدوح کو جزائے خیر عطا فرمائے، رسالے کو نافع اور مقبول بنائے اور اُمت کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۲ ۲/۸۹ھ

دو باتیں

یہ رسالہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے جب اس کے لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تھا تو اس کا اندازہ ستر اسّی صفحات سے زیادہ کا نہ تھا لیکن کام کرنے والے جانتے ہیں کہ انسان جوں جوں کام میں گھستا ہے اتنا ہی کام پھیلتا چلا جاتا ہے چنانچہ لکھتا گیا اور مضامین ذہن میں آتے گئے۔ اور مکمل ہونے کے بعد بھی جب کسی مقام پر نظر ڈالی تو کچھ نہ کچھ بڑھانے ہی کو جی چاہا۔ آخر بحالت موجودہ ہدیۂ ناظرین ہے اور دیکھنے والے محسوس کریں گے کہ موضوع سے متعلق اس میں مختلف قسم کا بہت کچھ مواد آگیا ہے۔

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں یہ دین سے دوری اور فسق وفجور میں انہماک، عمل سے جان بچانے اور دماغی کھود کرید کرنے، سیدھی سادی باتوں سے گریز کرکے فلسفیانہ موشگافیاں کرنے، محنت وکوشش کرکے کسی صاحب علم کے پاس جاکر کچھ سیکھنے کے بجائے گھر بیٹھے سب کچھ معلوم کرنے اور سمجھنے کا دور ہے۔ اور آج اس مزاج کو سمجھ کر دوسری قوموں نے اپنی مذہبی تبلیغ اور اسلام کے خلاف بیہودگیوں اور غلط فہمیوں کا جال پھیلا دیا ہے اور جان توڑ کوششیں اور اربوں روپیہ خرچ کرکے عوام وخواص تک اپنا لٹریچر نہایت دلکش انداز میں

کم سے کم قیمت پر سہولت کے ساتھ پہنچایا جا رہا ہے اور چونکہ آسانی سے ہر جگہ ظاہری چمک دمک کے ساتھ سستے سے سستا ہی لٹریچر ملتا ہے اس لئے عوام بے چارے ایک حد تک معذور بھی ہیں۔ اگر کوشش کر کے صحیح دینی مزاج پیدا کرنے والی کتابیں عوام تک اور جدید ذہن کے لوگوں تک پہنچا دی جائیں تو وہ ضرور ان سے فائدہ اُٹھائیں گے اور قیمت کے تھوڑے سے فرق کے باوجود وہ انہی کتابوں کو خریدیں گے۔

دوسری ایک بہت اہم اور قابلِ توجہ بات یہ بھی ہے کہ آج عموماً یہ مزاج بنتا جا رہا ہے کہ ہر چیز کو عقلی طور پر سمجھا جائے اور ساتھ ہی ساتھ علم سے بے تعلقی کا یہ عالم ہے کہ حکمائے اسلام کی ان کتابوں سے استفادہ کرنے کی لیاقت نہیں کہ جو دل اور دماغ دونوں کو بیک وقت غذا پہنچا کر مطمئن کرتی ہیں۔ خود اردو زبان سے ہم اس قدر دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ ذرا اونچی زبان کا سمجھنا مشکل ہے۔

ان تمام چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس رسالے میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ :۔

(۱) زبان و بیان تو بہت سادہ اور عام فہم جس سے ہر چھوٹا بڑا اور کم پڑھا لکھا آدمی بھی فائدہ اُٹھا سکے اور مضمون ایسا ہو کہ ہر طبقے کا آدمی اس میں اپنا فائدہ محسوس کرے۔ اسی وجہ سے صرف ضروری ضروری مضامین لئے گئے ہیں اور غیر ضروری بحثیں چھوڑ دی گئی ہیں۔

(۲) موجودہ جدید ذہن اور معمولی پڑھا لکھا طبقہ دونوں کی رعایت کرتے ہوئے

حکمت و موعظت دونوں کو ساتھ ساتھ نباہنے کی کوشش کی گئی ہے۔
اور جو مضامین کچھ بلند قسم کے آئے ہیں ان کو الفاظ و عبارات اور بیان کی سلاست کے ذریعے آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش رہی ہے۔
تقریر یا تحریر کا سب سے مشکل پہلو یہی ہوتا ہے کہ دو مختلف طبقوں کے آدمیوں سے ایک ہی ساتھ خطاب کرنا پڑے۔

(۳) اِس رسالے میں بہت سے ایسے مضامین بھی آگئے ہیں جو کم از کم اردو کی تو شاید ہی کسی کتاب میں آئے ہوں گے اور بعض چیزیں وہ بھی ہونگی جو اسی رسالے کی خصوصیت ہیں۔

(۴) ایک خاص بات یہ سامنے رکھی گئی ہے کہ ہر عنوان کے متعلق فضائل بھی آجائیں اور مسائل بھی، اس طرح یہ کتاب نہ صرف فضائل کی ہے اور نہ صرف احکام کی بلکہ دونوں ضرورتیں ایک ساتھ پوری کرتی ہے۔

(۵) موضوع تمام تر مذہبی ہونے کے باوجود لب و لہجہ اور طرزِ بیان کی ہلکی سی چاشنی کے ذریعے مضمون کو بالکل خشک نہیں ہونے دیا گیا ہے۔

(۶) حدیثیں وغیرہ تمام مستند حوالوں اور جلد و صفحات کے نشان کے ساتھ لکھی گئی ہیں تاکہ بوقتِ ضرورت اہلِ علم کو تلاش کرنے میں دقّت نہ ہو۔

(۷) حدیث کے ابتدائی طالب علموں کی سہولت کی خاطر عربی عبارتوں پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں۔

(۸) مضمون کے درمیان میں حوالوں کا ذکر کرنا مضمون کے تسلسل میں خلل انداز ہوتا ہے اس لئے تمام حوالے حاشیے پر لکھے گئے ہیں۔

ان کے علاوہ اور بہت سی خصوصیتیں مطالعے کے وقت آپ خود محسوس کریں گے۔ ناظرینِ کرام سے درخواست ہے کہ اس کتاب سے خود فائدہ اُٹھانے کے ساتھ ساتھ دوسروں تک بھی پہنچانے کی کوشش کریں اور مطالعے کا مشورہ دیں تاکہ دین کی بات زیادہ سے زیادہ عام ہو۔ کیا بعید ہے کہ کسی خدا کے بندے کے دل پر کوئی بات اثر کر جائے اور وہی ایک بات اس کی زندگی کا رُخ بدل دینے کا ذریعہ بن جائے۔

اُمید ہے کہ رمضان المبارک کی قیمتی گھڑیوں میں خدا سے لَو لگانے والے اس سے کچھ فائدہ اُٹھائیں گے اور کیا عجب ہے کہ یہی ایک چیز میرے لئے ذخیرۂ آخرت بن جائے۔ اہلِ علم حضرات سے استدعا ہے کہ وہ اپنے مفید مشوروں سے ہمیں محروم نہ رکھیں۔

اے اللہ! میری اِس حقیر کوشش کو قبول فرما کر مجھے اور اس سے فائدہ اُٹھانے والے اپنے تمام بندوں کو اپنی سچی محبت نصیب فرما اور دونوں جہان میں عافیت اور چین کی زندگی عطا فرما۔ آمین!

محمد عبد اللہ دھلوی غفرلہٗ

مقیم حال مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم

سیلم ۵

(صوبہ مدراس)

یوم عید الضحیٰ ۱۳۸۸ھ

مطابق ۲۷ فروری ۱۹۶۹ء

ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں میری انتہائے نگارش یہی ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ

سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

ماہِ رمضان کیا ہے؟

شَہْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسالے کے شروع میں ہم اور آپ یہ معلوم کرلیں کہ رمضان المبارک کے مہینے کو ایسی کونسی اہمیت اور خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے متعلق ہم نے ایک مستقل رسالہ لکھنے کی ضرورت سمجھی۔

صرف ظاہر کو دیکھ سکنے والی نظر تو یہی فیصلہ کرے گی کہ جیسے سال بھر کے اور گیارہ مہینے ہیں یہ بھی انتیس یا تیس دن کا ہی ایک مہینہ ہے اور جس طرح کے صبح و شام اس سے پہلے اور اس کے بعد ہوتے ہیں اسی طرح کے صبح و شام رمضان المبارک میں بھی ہوتے ہیں، اور یہ بات کچھ بے جا بھی نہیں ہے جتنے ہاتھ پیر آنکھ، ناک، کان ملک کے وزیر اعظم اور صدر کے ہوتے ہیں اتنے ہی سڑک جھاڑنے والے بھنگی اور کپڑے دھونے والے دھوبی کے بھی ہوتے ہیں، لیکن کیا کوئی معمولی سے معمولی آدمی بھی دونوں کو یکساں سمجھتا ہے؟

تو فرق ظاہری کچھ نہیں، بس فرق ہے تو دونوں کے درجے اور مرتبے کا ہے جسے ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ یہی حال دنوں اور مہینوں کا بھی ہے کہ ویسے ظاہر میں یہ سب ایک سے نظر آتے ہوں لیکن مرتبے میں برابر نہیں ہیں۔

آج کی دنیا میں لوگ اپنی سالگرہ مناتے ہیں، ملک کی آزادی کے دن خوشیاں مناتے ہیں اس دن میں اور سال کے دوسرے دنوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے جس دن ؍تاریخ کو ہمارا ملک دشمن کے ہاتھوں سے آزاد ہوا ہے وہ دن تاریخ ہمارے لئے خوشیاں منانے کا دن ہے۔

لیکن ذرا غور کرو یہ پوری کی پوری زمین خدا کی دوسری مخلوقات چاند سورج اور بہت سے ستاروں کے مقابلے میں ہزارواں حصہ بھی نہیں اور پھر ہمارا ملک پوری دنیا کا نہ آدھا نہ تہائی نہ چوتھائی بلکہ ایک ذرا سا حصہ ہے جس کے آزاد ہونے پر ہم اتنے مگن ہیں کہ جس تاریخ کو وہ آزاد ہوا تھا اس تاریخ کو ہر سال پورا دن کھیل کود، سیر تفریح میں لگا دیتے ہیں اور روزمرہ کے کام دھندوں کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر حساب لگائیں تو اس ایک دن کی چھٹی سے ملک کا لاکھوں سے زیادہ کا نقصان تو صرف آمدنی کا ہوتا ہے اور خرچ رہا الگ۔

لیکن یہ سب کس لئے برداشت ہے؟ صرف اس لئے کہ اس دن کا ایک مقام ہے، اس کی ایک اہمیت ہے؛ اس سے ہماری تاریخ کی ایک بہت اہم یادگار وابستہ ہے۔

اب ذرا اس پر بھی غور کرو کہ ہمارے خالق و مالک احکم الحاکمین رب العالمین کے ارشاد کے مطابق ہمارا یہ ملک ہی نہیں بلکہ پوری زمین اور اس کے اندر کا سب

کچھ صرف انسان کے لئے بنا ہے اور یہی تمام چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے تو پھر انسان کا کتنا بلند مقام ہوا؟ اور اگر کہیں یہ انسان کسی باطل طاقت کا شکار ہو جائے تو سوچیے کہ کتنا بھاری نقصان ہوا۔ اب اگر ساری کائنات کا یہ شہزادہ حضرتِ انسان اس باطل پنجے سے آزاد ہو جائے تو بتاؤ ہے کوئی ٹھکانا اس خوشی اور مسرّت کا؟۔

آج سے کوئی پونے چودہ سو برس پہلے یہ زمین یا اس کا کوئی ایک حصّہ نہیں یا یہ چاند و سورج نہیں بلکہ خود ان کا شہزادہ حضرتِ انسان جاہلیت و بُت پرستی کی باطل طاقتوں میں گرفتار تھا اور یہ شہزادہ جو درحقیقت دنیا کی تمام چیزوں کا مالک تھا طاغوتی اور شیطانی طاقتوں کے اثر سے اس درجے گر چکا تھا کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کے آگے سر جھکا دیتا تھا اور اس طرح اپنے غلام کو اپنا آقا اور مالک سمجھے ہوئے تھا اور مسجودِ ملائک اینٹ پتھر کا ساجد بنا ہوا تھا۔ اس کے پیدا کرنے والے خدا سے اس کا اس طرح ذلیل ہونا دیکھا نہ گیا اور اس نے اس کو ان باطل کے شکنجوں سے آزاد کرنے کا فیصلہ کیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک ایسا قانون (قرآن کریم) دے کر بھیجا جس نے اس آقا کو غلامی سے نکال کر دوبارہ پھر آقا بنا دیا اور ذلّت کے عمیق غار سے نکال کر اوجِ کمال تک پہنچا دیا، جس نے اس کی وحشت کو تہذیبِ اخلاق سے اور اس کی جہالت کو علم و معرفت سے اس کی نادانی کو حکمت و دانائی اور اس کی ظلمت و تاریکی کو بصیرت و روشنی سے بدل دیا اور بجائے اس کے کہ انسان چیزوں کے آگے جھکتا اُسے تمام چیزوں کو اپنے آگے جھکانے کے قابل

بنا دیا۔

بس جس تاریخ کو انسانیت کی آزادی اور سربلندی کا یہ پروانۂ الٰہی (قرآن مجید) انسانوں کو ملا وہ رمضان المبارک[1] ہے۔ جو کسی ایک دو ملک یا زمین کے کسی حصے کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا یومِ آزادی ہے جس پر یہ چھوٹے چھوٹے ہزار ہا یومِ آزادی قربان ہو سکتے ہیں اور اگر دنیا کے کسی حقیر یومِ آزادی پر لاکھوں روپیہ خرچ ہو سکتا ہے تو اس یومِ آزادی پر خدا اور اس کے رسولؐ کے اشاروں پر دنیا کی ہر ہر چیز لٹائی اور قربان کی جا سکتی ہے۔

پھر اِس یومِ آزادی کی اہمیت میں چار چاندیوں اور لگ جاتے ہیں کہ انسانیت پر جب بھی کبھی غلامی کا دَور آیا ہے اور آدم کی اولاد جب بھی کبھی اپنے دشمن شیطان کے ہاتھوں میں قید ہوئی ہے ہمیشہ اُس کو اسی مہینے میں آزادی ملی ہے۔ اس طرح رمضان کا مہینہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے خوشی اور مسرّت اور خدا کے احسان کے شکریے میں عبادتیں کرنے کا زمانہ نہیں بلکہ دنیا کے جتنے انسان بھی کسی نبی سے اپنا تعلق مانتے ہیں سب کے لئے خدا سے لَو لگانے کا زمانہ ہے۔

---

[1] رمضان المبارک میں قرآن پاک کے نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوحِ محفوظ سے پورا قرآن کریم دنیا کے اِس آسمان پر اُتار دیا گیا تھا اور پھر ۲۳ سال میں تھوڑا تھوڑا دنیا میں آتا رہا۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے اکتالیسویں سال رمضان شریف میں قرآن مجید اُترنا شروع ہوا تھا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دَور میں انسانوں کی آزادی کا پروانہ صحیفوں کی شکل میں اسی مہینے کی پہلی یا تیسری تاریخ کو ملا۔
حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں آزادی کا یہ قانون زبور کی صورت میں بارہ یا اٹھارہ رمضان کو دیا گیا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے نام سے چھ رمضان المبارک کو ملا۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل کے نام سے تیرہ رمضان کو ملا۔[1]
اِس مہینے کی خوشی میں خدائی قیدخانے (جہنم) کے بہت سے قیدی آزاد کردیئے جاتے ہیں۔

اِنَّ لِلّٰہِ عُتَقَاءَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ [2]

اس مہینے میں خدائی دربار پورے شباب پر ہوتا ہے اور منھ مانگی مرادیں ملتی ہیں۔

وَاِنَّ لِکُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ دَعْوَۃٌ مُّسْتَجَابَۃٌ

اس مبارک انسانیت کو جس شیطانی طاقت نے اپنے ناپاک پنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ اِس خوشی کے دن بھی اگر وہ ناکام نہ کردی جاتی تو یہ بات اس دن کی شان کے خلاف ہوتی اور جب اس کو زمین پر کھلے بندوں پھرنے دیا جاتا تو انسان کو دُکھ پہنچتا اور اس کی خوشی ادھوری رہ جاتی، قدرت نے اس کی

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد اول ص۲۱۶، معالم التنزیل ص۱۷ وغیرہما
[2] یہ اور اگلے تمام عربی جملے مع ترجمہ وحوالے کے آگے آرہے ہیں۔

آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے اُس کے پُرانے دشمن کو قید کردیا تاکہ انسان اپنے دشمن کو جکڑا ہوا دیکھ کر خوش ہو جائیں اور ان کے دل کو سکون نصیب ہو جائے اور اطمینان سے اپنے مولیٰ کی یاد کریں اور اس جشنِ یومِ آزادی سے پوری طرح لُطف اندوز ہوں۔

صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ

اس آزادی کی خوشی میں اور آزاد کرنے والے پروردگار کے شکریے میں اس کے نیک بندے راتوں کو نمازیں پڑھتے ہیں اور دن بھر روزے رکھتے ہیں۔

اِس مہینے میں عبادتوں کا بھاؤ بہت بڑھ جاتا ہے۔ جو عمل اور دنوں میں ایک نیکی دلاتا تھا رمضان المبارک میں ستر نیکیاں دلاتا ہے۔

پھر وہ ہدایت اور روشنی کا پیغام چونکہ بے انتہا قیمتی دولت ہے جس کا شکریہ بھی لازم ہے اور قرآن کا شکریہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان اس کے حکموں پر چلنے کے لئے اپنے کو تیار کرے قرآن کا مقصد ہے کہ ہم خود بھی شریعت کی راہ پر چلنا سیکھیں اور خدا کے دوسرے بندوں کو بھی اسی کی طرف لائیں۔ اس مقصد کے لئے اپنے کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔

یہ مہینہ انسانی قلوب پر روحانی بارشوں کا مہینہ ہے جس طرح خدائے پاک نے زمین کے درختوں اور پھلوں، پھولوں کے لئے سال میں ایک بار بارش کے ذریعے غذا کا انتظام فرمایا ہے اسی طرح مومنوں کے دلوں کی غذا کے لئے یہ مہینہ ہے جس میں خدائے پاک کی رحمتیں موسلا دھار بارش کی طرح برستی ہیں۔

جس طرح ہم عید اور بقر عید کے لئے یا ملک کے ذمّہ دار لوگ یومِ آزادی

کے لئے بہت پہلے ہی سے تیاری کرتے ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدتوں پہلے سے اس مہینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے اور ایک مہینہ پہلے شعبان ہی کے چاند سے پوری طرح تاریخوں کا حساب رکھتے تھے۔

یہ مہینہ درحقیقت انتہائی اہم اور پوری دنیا کے انسانوں پر خدائے کریم کے بہت بڑے احسان کی یادگار ہے۔ اس کو صحیح طریقوں کے مطابق گزارنا چاہئے اس کے قیمتی دن اور قیمتی راتیں پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ مولائے کریم کی عبادت اور یاد میں گزارنے کی ضرورت ہے۔

یہ چند سطریں جو آپ کے سامنے ہیں اسی مبارک مہینے کے متعلق چند ضروری باتیں جمع کرنے کی خاطر لکھی گئی ہیں۔

ایک آسمانی اعلان

خدا کے محبوب اور ہمارے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کی جب پہلی رات آتی ہے تو آسمانوں میں یہ آواز لگتی ہے۔

يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ [1] — اے نیکی کے تلاش کرنے والے! آگے بڑھ اور اے برائی کے چاہنے والے! باز آجا۔

ایک دوسری حدیث میں اس اعلان کے ساتھ یہ بھی ہے۔

---

[1] ترمذی، نسائی، احمد، ابن ماجہ، حاکم، عن ابی ہریرۃ قال الحاکم صحیح علی شرطہما مشکوٰۃ صہ۱۷۳ ترغیب صہ۱۴۲

هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ، هَلْ مِنْ تَائِبٍ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطٰى سُؤْلَهُ، [1]

ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت ہو جائے؟ ہے کوئی اللہ سے لو لگانے والا کہ اللہ بھی اس کی طرف توجہ کرے؟ ہے کوئی دعا کرنیوالا کہ ہم قبول کریں؟ ہے کوئی سائل کہ اس کی مانگ پوری کردی جائے؟

حدیث شریف میں ہے کہ یہ اعلان پوری رات ہوتا رہتا ہے۔ کس قدر قیمتی گھڑیاں ہیں کہ خود دینے والا آواز لگا رہا ہے۔ ایسے وقت میں بھی اگر ہم کچھ نہ کرسکیں تو آخر کب کریں گے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو تقریریں

رمضان المبارک کا مہینہ چونکہ انتہائی قیمتی ہے اور اس کا ایک ایک منٹ اور سکنڈ بھی بہت زیادہ قدر کرنے کے قابل ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی صحابۂ کرام کو جمع فرما کر تقریریں فرماتے اور رمضان کی اہمیت اور قدر و قیمت سمجھاتے ہوئے اچھے عملوں کا شوق دلاتے تھے۔ ہم یہاں پر آپؐ کی دو تقریریں نقل کرتے ہیں:۔

آپؐ کی پہلی تقریر شعبان کی آخری تاریخ تھی آپؐ نے صحابۂ کرام کو جمع کیا اور ارشاد فرمایا:۔

---

[1] بیہقی عن ابن مسعود۔ ترغیب ج ۲ ص ۱۰۴ (طبع ثانی ۱۳۷۳ھ مصر)

"لوگو! تمہارے اوپر ایک ایسا مہینہ آرہا ہے جو بہت ہی مبارک اور بہت ہی عظیم الشان ہے۔ اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں نماز (تراویح) کو نفل قرار دیا ہے۔ جو شخص اِس مہینے میں ایک نفلی عبادت کرے گا ایسا ہے جیسے بغیر رمضان کے فرض ادا کیا اور جس نے ایک فرض ادا کیا وہ ایسا ہے جیسے غیر رمضان میں ستّر فرض ادا کئے۔

یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنّت ہے۔ یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کا ہے۔ اس مہینے میں مومن کی روزی بڑھا دی جاتی ہے۔ جو شخص کسی کو افطار کرادے اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ جہنّم سے آزاد ہو جائے گا اور اس کو اُس روزہ دار کے برابر ثواب ملے گا اور روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔"

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ہم میں سے ہر ایک تو اس لائق نہیں ہے کہ کسی کو افطار کرادے (ہم میں بہت سے غریب بھی ہیں)، آپؐ نے فرمایا:۔

" یہ ثواب تو اللہ تعالیٰ ایک گھونٹ لسی پلانے یا ایک کھجور کھلانے یا ایک گھونٹ پانی پلانے پر بھی دے دیتے ہیں اور جس نے پیٹ

بھر کر کھانا کھلادیا اُسے اللہ تعالیٰ میری حوض (کوثر) سے ایسا پانی پلائیں گے کہ جنّت میں داخل ہونے تک پھر کبھی اُسے پیاس نہ لگے گی۔

اس مہینے کا پہلا (تہائی) حصّہ رحمت ہے اور درمیانی (تہائی) حصّہ مغفرت ہے اور آخری حصّہ جہنّم سے آزادی کا ہے۔ جو شخص اِس مہینے میں اپنے غلاموں، نوکروں پر کام ہلکا کر دے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں اور اسے جہنّم سے آزاد کر دیتے ہیں۔" [1]

آپؐ کی دوسری تقریر

حضرت عُبادہ بن الصّامِتؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ قریب تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

"رمضان کا مہینہ آرہا ہے جو بہت برکتوں کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس میں تمہاری طرف (خصوصی) توجہ فرماتا اور تم پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے۔ گناہوں کو بخشتا اور دعائیں قبول کرتا ہے نیکیوں میں تمہارے آپس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کو دیکھ کر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے۔ لہٰذا تم خدائے پاک کو اپنی نیکیاں دکھاؤ۔ بڑا ہی بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۳۔ ترغیب ج ۲ صفحہ ۹۴

سے محروم رہ جائے ۔" [1]

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے سامنے فخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور فرشتوں کو خبر دی تو فرشتوں نے کہا تھا کہ " اللہ میاں! آدم کو آپ پیدا تو کر رہے ہیں مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ اس کی اولاد زمین میں اودھم مچائے گی اور لڑائی جھگڑے کرے گی " اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " جاؤ تمہیں کیا خبر مجھے سب معلوم ہے " اب جب اس کے نیک بندے اچھے کام کرتے ہیں تو وہ خوش ہو کر فرشتوں سے کہتا ہے کہ " دیکھو ذرا! یہ وہی آدم کی اولاد ہے نا؟ "

غور کرو کہ ہم ذرا سی نیکی کر کے کتنے اونچے بن گئے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ہماری بڑائی اور تعریف کرتا ہے ۔ اور فرشتے معلوم ہے کہ کیسی پاک اور نیک مخلوق ہے؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ " کبھی بھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں " اب بتاؤ کہ اگر ہم نے اپنے آرام و راحت میں لگ کر نیکیوں سے سستی کی تو اپنا کتنا بڑا نقصان کر لیا اور کیسا قیمتی موقع ہاتھ سے کھو دیا ۔ اسی وجہ سے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ " بڑا ہی بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے ۔"

ایک حدیث میں تو ایسی سخت بات فرمائی ہے کہ سن کر دل کانپ جائے ۔

---

[1] ترغیب ترہیب جلد ۲ صـ۹۹

"حضرت کعب بن عُجرہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ممبر کے قریب آجاؤ۔ ہم لوگ حاضر ہو گئے۔ جب آپ نے ممبر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا "آمین" پھر جب دوسری سیڑھی پر قدمِ مبارک رکھا تو فرمایا "آمین" پھر جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا "آمین" جب آپؐ (خطبہ سے فارغ ہو کر ممبر سے) اُترے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج تو ہم نے آپ کی زبانِ مبارک سے (ممبر پر چڑھتے ہوئے) ایسی بات سُنی جو پہلے کبھی نہیں سنتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے یہ دعا کی کہ ہلاک و برباد ہو وہ شخص جو رمضان کا مبارک مہینہ پائے اور پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہو (یعنی مغفرت کرانے کے کام نہ کرے) میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو انھوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکرِ مبارک ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے۔ میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو انھوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اُس کے ماں باپ دونوں یا کوئی سا ایک بوڑھے ہو جائیں اور وہ اس شخص کو جنت میں داخل نہ کرائیں (یعنی یہ ان کی خدمت کر کے جنت کا حقدار نہ بن سکے) میں نے کہا۔ آمین[1]"

اِس حدیث شریف میں تین بددعائیں ہیں اور کس کی زبان سے ہیں؟ سارے فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام کی، اور آمین کس نے کہی؟ سارے

---

[1] ترغیب ج ۲ ص ۹۲

رسولوں کے سردار خدا کے محبوب ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اللہ، اللہ،
ان تینوں ہی بددعاؤں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جب بھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میرے ماں باپ آپؐ پر قربان) کا پیارا نام سُنے فوراً درود پڑھے۔ اسی طرح والدین کی خدمت میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہونے دے اور یاد کرے کہ میرے سامنے جتنے کمزور یہ آج ہو گئے ہیں ایک دن اس سے بھی بہت زیادہ کمزور ان کے سامنے میں تھا اور مجھے انھوں نے اپنی جان سے زیادہ پیارا بنا کر رکھا تھا اور اس وقت کا رکھنا تو کسی چیز کا بدلہ بھی نہ تھا۔ اب اگر میں ان کی خدمت کرتا ہوں تو میرا کیا احسان، اور کچھ نہ سہی کم از کم احسان کا بدلہ ہی احسان سے دینا چاہیئے۔

پہلی بات جو فرمائی گئی ہے دراصل یہاں ہمیں اسی کا ذکر کرنا ہے۔ کسی کی مغفرت نہ ہونا حقیقت میں خود اس کا اپنا قصور ہوتا ہے۔ کیونکہ خدائے پاک تو ہر وقت معاف کرنے کو تیار ہے۔ اب اگر کوئی معافی مانگتا ہی نہ ہو تو قصور کس کا۔ اور پھر رمضان کا مہینہ تو ایسا مبارک مہینہ ہے کہ اس میں بندے کی تھوڑی سی محنت بھی بہت کچھ دلا سکتی ہے۔

الغرض یہ مہینہ خدائے پاک کی بے پناہ رحمتوں برکتوں کا مہینہ ہے۔ پروردگارِ عالم نے اکثر وبیشتر اپنے نبیوں پر اپنا کلام پاک اسی مہینے میں اُتارا ہے، اس لئے نیک کاموں کو اس مہینے سے ایک خاص مناسبت ہے۔ ہوشیاری اور عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان وقت کو دیکھے۔ یوں تو نیکی ہر وقت نیکی ہی ہے اور ایک نیکی کا دس گُنا تو کبھی بھی کہیں نہیں گیا لیکن رمضان کا مہینہ

نیکیوں کا خاص موسم اور سیزن ہے۔ اس میں جہاں تک ہوسکے زیادہ سے زیادہ عبادتوں اور ذکر و تسبیحات اور صدقہ خیرات کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

رمضان کی فضیلت

رمضان کی اہمیت کا بیان کسی قدر تو اوپر بھی آچکا ہے۔ اب تین حدیثیں اس کی فضیلت میں اور لکھی جاتی ہیں۔

(۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَن صَامَ رَمَضَانَ اِیمَانًا وَاحتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ الحدیث رواہ البخاری ومسلم[۱] وزاد الھیثمی عن احمد بروایۃ ابی ہریرۃ اوالحسن مرفوعا وَمَا تَاَخَّرَ وقال رجالہ موثقون الا ان حماداً شک فی وصلہ وارسالہ[۲] اھ قلت ورواہ احمد فی مسندہ ایضاً فی موضع آخر[۳] عن ابی ہریرۃ مرفوعا بھذہ الزیادۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے ایمان کے ساتھ اجر و ثواب کی نیت سے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے اب تک کے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اگلے اور پچھلے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔

(تشریح) اگلے اور پچھلے گناہوں کا مطلب یہ ہے کہ جو گناہ اب تک ہوچکے ہیں وہ بھی اور جو آئندہ ہوں گے وہ بھی سب معاف ہوگئے۔ اور یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ بہت کم کسی عمل پر اس کی خوش خبری دی گئی ہے۔

---

[۱] مشکوٰۃ ص۱۷۳ [۲] مجمع الزوائد ج۳ ص۱۷۲ [۳] مسند احمد ج۲ ص۳۸۵ (قدیم مصری)

۲ ضروری باتیں اب یہاں دو ضروری باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔
اوّل تو یہ کہ جن حدیثوں میں کسی نیک عمل سے گناہوں کے معاف ہونے کا انعام بیان ہوا ہے علماء نے دوسری حدیثوں کی روشنی میں ان کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اس سے چھوٹے چھوٹے گناہ مراد ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے گناہوں کے لئے توبہ و استغفار کرنا ضروری ہے۔

لیکن اگر کسی کا نیک عمل ایسا ہو کہ جس میں خلوص بھی پورا پورا ہو، دل ندامت اور شرمندگی میں ڈوب رہا ہو، آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسوؤں کے قطرے بھی گر رہے ہوں تو یہ عمل ہی خود بہت بڑی توبہ ہے اور اگر خدائے پاک کسی کے عمل ہی پر چھوٹے بڑے تمام گناہ بخش دے تو اس سے کون پوچھنے والا ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ توبہ و استغفار بھی ہو تو کیا کہنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اپنے بے انتہا کمالات اور بزرگیوں کے دن میں ستر ستر بار استغفار کرتے تھے۔

توبہ کا طریقہ توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت توبہ کی نیت سے خوب دل لگا کر پڑھے اور اس کے بعد پھر اپنے تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرے۔

توبہ کے تین رُکن ہیں جن کے بغیر توبہ توبہ نہیں بنتی۔

(۱) اب تک کئے ہوئے پر ندامت و شرمندگی (۲) آئندہ کبھی نہ کرنے کا پکا عہد (۳) اور اس وقت بُرے کاموں سے بالکل علیحدگی۔

دوسری بات اوپر والی حدیث کے متعلق یہ ہے کہ جو گناہ ابھی تک ہوئے نہیں اُن کی مغفرت اگرچہ کچھ عجیب سی بات لگتی ہے لیکن حافظ ابنِ حجرؒ نے

کئی حدیثوں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ گناہوں کی مغفرت ان کے موجود ہونے سے پہلے بھی ہو سکتی ہے۔[1]

اور ممکن ہے کہ مغفرت کا مطلب یہ ہو کہ آئندہ اس شخص کو گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے۔[2] لیکن اس کا اثر بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ انسان اگر بچنا چاہے تو خدا کی طرف سے اس کی مدد ہو اور وہ آسانی سے بچ سکے لیکن اگر کوئی بچنے کی کوشش ہی نہ کرے تو اس کا کیا علاج، اور ایک مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنے پاس سے اتنا اجر و ثواب دیدیتا ہے کہ اگر آئندہ اس سے گناہ ہو بھی جائیں تو یہ ثواب ان کا بدل بن جائے۔[3]

(۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیِّدُ الشُّهُوْرِ رَمَضَانُ وَاَعْظَمُهَا حُرْمَةً ذُوالْحِجَّةِ ۔رواہ البزار قال الہیثمی وفیہ یزید بن عبدالملک النوفلی[4]

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب مہینوں کا سردار رمضان ہے، اور سب سے زیادہ قابلِ احترام ذوالحجہ کا مہینہ ہے۔

تشریح:۔ رمضان اور ذی الحجہ کی یہ خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی اور مہینہ ایسا نہیں جس سے کسی اسلامی فریضے کا خصوصی تعلق ہو۔

---

[1] الخصال المکفرۃ عن الذنوب المتقدمۃ والمتأخرۃ للحافظ ابن حجر العسقلانی [2] حوالہ سابقہ و مرقاۃ المفاتیح ج ۲ صفحہ ۵۴۰
[3] مرقاۃ ایضاً (مطبوعہ اصح المطابع بمبئی الہند) [4] مجمع الزوائد ج ۳ صفحہ ۱۴۰

صرف یہی دو مہینے ایسے ہیں جن میں سے ایک میں اسلام کا ایک اہم فریضہ روزہ ادا ہوتا ہے اور دوسرے میں حج ہوتا ہے اور ان میں سے رمضان کو سرداری کا درجہ اس لئے حاصل ہے کہ اس میں بہت سے ایسے بڑے بڑے کام ہوئے ہیں جو کسی اور مہینے میں نہیں ہوئے اور اعمال کا سب سے زیادہ انعام اسی مہینے میں ملتا ہے۔ اور بھی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔

(۳) عن ابی سعید الخدری قال	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم	کہ رمضان کے روزے پورے سال کے
صِیَامُ رَمَضَانَ اِلٰی رَمَضَانَ کَفَّارَۃٌ	گناہوں کا کفارہ ہیں۔
مَا بَیْنَھُمَا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر[۱]	

تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ ہر رمضان کے روزے رکھنے سے درمیانی دنوں کے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔

رمضان شریف میں نیکیوں کی قیمت

تم میں سے بہت سوں نے دیکھا بھی ہوگا یا کم از کم سُنا تو ہوگا ہی کہ یہی ماچس (دیاسلائی) جو آج کل سات یا آٹھ پیسے میں مل جاتا ہے آج سے بیس اکیس سال پہلے جنگ کے موقع پر بعض جگہوں پر بارہ آنے اور روپے تک کو ملنا مشکل ہو گیا تھا اور جو نمک آج مہنگائی کے دور میں بھی بیس پیسے کلو سے زیادہ نہیں لوگوں نے دو روپے

۱۔ مجمع الزوائد ج۳ ص۱۴۲

سیر نمک خریدا ہے۔

تو کیا اس نمک میں آبِ حیات[1] مل گیا تھا؟ اور کیا ماچس میں تیلیاں زیادہ بھر دی گئی تھیں؟ کچھ بھی نہیں بس وقت وقت کی بات ہے۔ ایک ہی چیز کل ہم نے دس روپے کو بیچی تھی آج وہ ستر میں مشکل سے ملتی ہے۔

بالکل اسی طرح سمجھو کہ انسان جو اچھا کام کرتا ہے خدائے پاک اُسے نیکیوں کے بدلے خریدتا ہے اور اس نے بتا دیا ہے کہ تمہاری نیکیاں ہم فلاں وقت اس بھاؤ لیں گے اور فلاں وقت اس کی قیمت اتنی ہوگی۔ مثلاً نماز تم سارے دنوں میں تنہا پڑھو تو ایک ہی نماز سمجھی گئی اور جماعت سے پڑھی تو اس کی قیمت ستائیس گنا ہوگئی[2] اور رمضان شریف میں ایک نماز ستر نمازوں کے برابر ہوگئی۔ پھر آپ کو اللہ نے توفیق دی اور آپ حج کو گئے تو اب بیت اللہ شریف کی مسجد میں نماز پڑھی تو ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوگئی[3] اور اگر عمل خالص اللہ کے لئے کیا جائے تو اس کے بڑھنے کی تو کوئی حد ہی نہیں۔

لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اعمال کا اجر و ثواب تو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی بڑھ جاتا ہے اور بیت المقدس میں بھی بڑھ جاتا ہے اور بھی بہت سے حالات اور بہت سے مقامات ہیں لیکن سب

---

[1] یہ ایک قسم کا پانی ہوتا ہے کہتے ہیں جو اسے پی لیتا ہے کبھی نہیں مرتا۔ [2] مشکوٰۃ صہ ۷۲
[3] مشکوٰۃ صہ ۷۲ والاحیاء بتخریج العراقی - صہ ۲۱۹/۱ عن انس رضی اللہ عنہ والطحاوی فی مشکل صہ ۲۴۵/۱ عن ابن الزبیر مرفوعاً وعن عمر موقوفاً

سے زیادہ آسان اور گھر بیٹھے بٹھلائے اور خوب ریل پیل سے جو ملتا ہے وہ صرف رمضان المبارک ہی ہے جس کے لئے نہ سفر کرنے کی ضرورت، نہ پاسپورٹ بنوانے کی ضرورت اور نہ تین چار مہینے کاروبار چھوڑنے اور گھر سے الگ رہنے کی ضرورت، دن کے وقت اپنے کام دھندے بھی کرسکتے ہیں اور رات میں آدم بھی گھر پر ہو سکتا ہے اور پورے ایک مہینے تک خدا کی رحمت کے دسترخوان سے دنیا اور آخرت کی نعمتیں بھی لوٹی جاسکتی ہیں اور اس میں بھی ایک رات ایسی قیمتی بنا دی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس ایک مہینے میں انسان اگر چاہے تو وہ کچھ کماسکتا ہے جو سال بھر محنت کرکے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:-

مَنْ تَقَرَّبَ فِیْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَیْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِیْضَةً فِیْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ[1]

جو شخص اس مہینے میں کوئی نفلی عبادت کرے اس کا ثواب اتنا ہے جتنا غیر رمضان میں فرض کا اور جس نے اس مہینے میں کوئی فرض ادا کیا اس کو غیر رمضان کے ستر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔

(تشریح) اب آپ ذرا اندازہ لگائیے کہ اس مہینے میں صرف فرض نمازیں ڈیڑھ سو ہوئیں اور تیس روزے ہوئے۔ پھر زکوٰۃ کا حساب بھی لوگ عام طور پر رمضان سے رمضان ہی تک رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی فرض اور واجب اعمال بہت سے

---

[1] مشکوٰۃ ص۱۷۳، ترغیب ج۲ ص۹۴

ہوتے ہیں ہر ایک کا ستر گنا لگا ہیئے۔ پھر نفلی عبادتیں مثلاً صدقہ خیرات، کسی بھوکے کو کھانا کھلانا، کسی ننگے کو کپڑے پہنانا، کسی بے چارہ قرضے میں دبے ہوئے انسان کا قرضہ نمٹا دینا، دو آدمیوں میں صلح کرا دینا وغیرہ سیکڑوں نفلی عبادتیں ہیں۔ ہر ایک ان میں سے فرض کے برابر ہو جاتی ہے اور ایک فرض ایک نفل سے کتنا اونچا ہوتا ہے اس کا اندازہ آپ مشہور محدث علامہ جلال الدین سیوطی کے اس قول سے کیجئے۔ وہ فرماتے ہیں:-

"ستر نوافل مل کر ایک فرض کے برابر ہوتے ہیں[1]"

تو اب مطلب یہ ہوا کہ رمضان میں ہر عبادت چاہے وہ فرض ہو یا نفل ستر گنا ہو جاتی ہے۔ اب اگر ہم اپنی چھوٹی بڑی تمام عبادتیں ملائیں اور ہر ایک کا ستر گنا لگائیں تو سوچو کتنا بڑا ذخیرہ بن جاتا ہے۔ کیسے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو رمضان کے مہینے میں خوب عبادتیں اور نیکیاں کرکے ثواب لوٹتے ہیں۔

دراصل یہ مہینہ عبادتوں کا موسم اور اُن کی فصل کا زمانہ ہے جس طرح ہر درخت ہر کھیتی اپنے موسم میں خوب پھولتی پھلتی اور خوب بڑھتی ہے۔ اسی طرح اس مہینے میں عبادتیں خوب بڑھتی ہیں۔ بس جو جتنی زیادہ نیکیاں کرنا چاہے کرلے

---

[1] فضائل صدقات حصہ اول صفحہ ۲۴۵ بحوالہ مرقاۃ الصعود (مطبوعہ کتب خانہ یحییوی سہارنپور)
جو بات علامہ سیوطی نے کہی ہے اگر غور کریں تو خود اس اوپر والی حدیث سے بھی صاف سمجھ میں آتی ہے کیونکہ جب ایک فرض ستر فرضوں کے برابر ہو گیا اور نفل فرض کے برابر ہوا تو ظاہر ہے کہ درجہ اور ثواب کے لحاظ سے ایک فرض ستر نوافل کے برابر ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ والے اور نیک لوگ رمضان شریف کا بہت اہتمام کرتے ہیں اور بہت سے تو کام دھندے بالکل چھوڑ کر عبادتوں ہی میں لگ جاتے ہیں اور جن کے پاس اتنی گنجائش نہیں ہے وہ کچھ وقت کاروبار کا اور کچھ عبادتوں کا کر لیتے ہیں۔ کام دھندے تو ہمیشہ ہی ہوتے رہتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ سال میں ایک بار آتا ہے اور کون جانتا ہے کہ یہ مبارک گھڑیاں آئندہ سال ہمیں ملیں گی یا نہیں اس لئے جو کرنا ہے کر لیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اور تمام مسلمانوں کو اس مبارک مہینے کی قدر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

رمضان اور قرآن

یوں تو قرآن کریم کی تلاوت تمام ذکر و تسبیحات سے اور وظیفوں وغیرہ سب سے افضل ہر وقت ہے لیکن ایک خاص بات جو رمضان المبارک کے اندر تلاوت کرنے میں ہے وہ یہ کہ یہ مہینہ قرآنِ کریم کے نازل ہونے کا مہینہ ہے اسی مہینے میں قرآنِ کریم اترنا شروع ہوا تھا اور اس کے بعد ہر سال رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف کا دَور کرتے تھے[1]۔ اس لحاظ سے یہ مہینہ قرآن کریم کا خصوصی زمانہ ہے۔ اسی وجہ سے

---

[1] قال الشعبی کان جبریل علیہ السلام یعارض محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ما نزل الیہ
(معالم ص۱۷ مطبوعہ ہند ۱۲۹۵ھ)

بزرگانِ دین کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے اور آج بھی یہ عام رواج ہے کہ رمضان شریف میں تلاوت کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

ہمارے بعض بزرگ ہر رمضان میں دوسرے اوراد و وظائف کے ساتھ چالیس اور پینتالیس قرآن تک ختم کر لیتے ہیں۔ آگے حدیث شریف آرہی ہے کہ روزہ اور قرآن دونوں روزہ دار کی سفارش کریں گے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رمضان اور قرآن کا آپس میں جوڑ ہے اس لئے رمضان کے مہینے میں قرآن کریم کی تلاوت کا خوب اہتمام کرنا چاہیئے اور اس کا بہترین طریقہ تراویح ہے اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ نماز کے بہانے قرآن پاک بھی پورا ہو جاتا ہے دوسرے غیر حافظ تراویح میں سُن کر قرآن پورا کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ نماز کے اندر قرآن پاک کا ثواب علیحدہ پڑھنے سے بہت زیادہ بھی ہے۔

مگر مشکل یہ ہے کہ ہم لوگ تراویح بوجھ سمجھ کر پڑھتے ہیں اور جلدی سے نمٹا کر بھاگنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہ کمال سمجھا جاتا ہے کہ فلاں حافظ صاحب نے ایک گھنٹے میں اتنے پارے پڑھ دیئے حالانکہ جب کلام پاک کے الفاظ بھی دُرست نہ ہوئے اور نہ رکوع و سجدہ اطمینان سے ہوا تو بجائے کمال کے اور اُلٹا وبال بن گیا۔ بعض لوگ تو اگر حافظ صاحب کو اطمینان سے پڑھتا دیکھیں تو جلدی کا تقاضہ کرنے لگتے ہیں۔ خدارا! غور کیجئے کہ سال بھر میں ایک مہینہ آتا ہے اور اس میں بھی چوبیس گھنٹے کا اکثر وقت ہم اپنے ہی کاموں میں لگا لیتے ہیں، تراویح میں اگر تھوڑی سی مشقت ہی برداشت کر لی تو کیا ہوگیا۔ جب ہم تراویح اور نماز کے لئے مسجد میں آہی گئے تو پانچ سات منٹ اور سہی

اتنی سی جلدی کر کے کیوں قرآن کی برکتوں سے محروم ہوں۔

اس کے بعد اب ہم یہاں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط نقل کرتے ہیں۔ جو آپ نے خواجہ محمد صدیق بدخشی کے نام لکھا ہے اور ہمارے موضوع سے متعلق ہے:۔

"باسمہ سبحانہ ـــــ شانِ کلامِ ربانی جو کہ منجملہ شیوناتِ ذاتیہ ہے تمام کمالاتِ ذاتی اور شیوناتِ صفاتی کی جامع ہے۔ اور ماہِ مبارک رمضان "جامع جمیع خیرات و برکات" ہے اور جو خیر و برکت بھی ہے وہ حضرت ذات کی طرف سے عطا کی ہوئی ہے اور اسی کی شیونات کا نتیجہ ہے۔ بس اس ماہِ مبارک کی تمام خیرات و برکات ان کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہیں جن کی جامع شانِ کلامِ ربانی ہے اور قرآن مجید اس "شانِ جامع" کا حاصل تمام حقیقت ہے اسی لئے اس ماہِ مبارک کو قرآن مجید کے ساتھ مناسبتِ تام ہے۔ قرآن جامع جمیع کمالات اور یہ مہینہ جامع جمیع خیرات ہے اس ماہ کے خیرات قرآن کے کمالات کے ہی نتائج و ثمرات ہیں۔ یہی مناسبت اس مہینے میں نزولِ قرآن کا باعث ہوئی چنانچہ ارشادِ باری ہے۔

شَہْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ (رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا) اور شب قدر اس مہینے کا خلاصہ اور لُبِّ لباب ہے، پس جو شخص یہ مہینہ جمعیت کے ساتھ گزاریگا

اور اس کی خیرات و برکات سے بہرہ اندوز ہوگا۔ وہ تمام سال جمعیت سے گزارے گا اور خیر و برکت سے مالا مال ہوگا ——— اللہ تعالیٰ ہم کو اس ماہِ مبارک کے خیرات و برکات میسر کرے اور اس میں سے بڑا حصہ نصیب کرے ——— والسلام۔"[1]

روزہ کسے کہتے ہیں؟

عربی زبان میں روزے کو اَلصَّوم کہتے ہیں جس کے لغوی معنی صرف کسی چیز سے رُکے رہنے کے ہیں اور شریعت میں الصوم یا روزہ یہ ہے کہ آدمی صبح صادق سے سورج چھپنے تک کھانے پینے اور شہوتِ نفسانی کے پورا کرنے سے روزے کی نیت کے ساتھ رُکا رہے، جس نے اتنا کر لیا اس کا روزہ ہوگیا اور یہ گویا روزے کا جسم بن گیا۔ اب جس طرح جسم کی صحت و تندرستی کے لئے انسان بہت سے پرہیز کرتا ہے اسی طرح روزے کے اندر بھی کچھ پرہیز ہیں، جن کا بیان انشاءاللہ آگے آرہا ہے۔

روزہ اسلام کے ضروری ارکان میں سے ایک رُکن ہے جس کے بغیر آدمی ادھورا مسلمان رہتا ہے۔ رمضان کا روزہ ہر مسلمان عاقل، بالغ، مرد و عورت پر فرض ہے۔ جو روزہ نہ رکھے وہ سخت گنہگار ہے اور اس سے بھی زیادہ شرمناک

---

[1] یہ خط ماہنامہ "الفرقان" بابت ماہ رمضان ۱۳۷۹ھ میں شائع شدہ محترم مولانا نسیم احمد فریدی کے مضمون "تجلیاتِ مجددِ الف ثانی رح" سے ماخوذ ہے (مؤلف)

بات یہ ہے کہ جو آدمی رمضان کے دنوں میں سب کے سامنے کھاتا پیتا پھرے۔ وہ گویا اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ میں نہ مسلمانوں کے ساتھ ہوں اور نہ مجھے اسلام کے حکموں کی کوئی پرواہ ہے اور میں ایسا بیباک ہوں کہ کھلم کھلا خدا کے حکم کی مخالفت کرجاتا ہوں۔

درحقیقت ایسے لوگ جنھیں سارے مسلمانوں کے عمل کی مخالفت بھی آسان ہو، جنھیں اپنے پالنے والے اپنے خالق و رازق سے بغاوت کرتے ہوئے ذرا شرم و حیا نہ آتی ہو، جو دین کے اہم فریضے اس بے دردی اور بے فکری سے توڑ دیتے ہوں اُن سے کس بھلائی اور نیک چلنی کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ ایسے لوگ خدا کی نظر میں تو بدترین ہیں ہی لیکن دنیا کے اندر بھی کوئی شریفانہ زندگی نہیں گزار سکتے۔ اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ

"جو شخص رمضان کے مہینے میں دن کے وقت کُھلم کُھلا بغیر کسی عذر کے کھاتا پیتا ہو اُس کی گردن اُڑادی جائے" [1]

لیکن یہ کام اسلامی حکومت ہی میں ہوسکتا ہے، ہاں اتنی ذمہ داری تو ہر حالت میں ہے کہ اس کے بڑے یا جن کا اس پر بس چلتا ہو اُسے سزا دیں، ڈانٹ ڈپٹ کریں، اس کے تعلق والے اس سے اظہارِ نفرت کریں اور کہہ سُن کر اُس کو اس بدتمیزی سے روکیں۔

اور جو شخص رمضان کے روزوں کا انکار کردے وہ تو اسلام ہی سے نکل گیا۔

---

[1] درِمختار وغیرہ

اگر کوئی شخص اپنی کم نصیبی اور بدبختی کی وجہ سے روزے رکھنے سے محروم ہے تو کم از کم روزے کو فرض اور ضروری تو سمجھے اور اسی لائن میں ہیں وہ نادان اور بیوقوف لوگ بھی جو روزے اور روزہ داروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اپنے جیسے دو چار چھچھوروں کو ہنسانے کے لئے کوئی مذاق کا جملہ کہہ دیا اور خود بھی "کھی کھی" کر کے دانت نکال دیئے اور یہ خبر نہیں کہ آج کا یہ جملہ خدا کے منشیوں نے لکھ لیا ہے اور اس پر ہزاروں برس خون کے آنسو رونے پڑیں گے۔ جو انسان انجام کو سوچے بغیر کوئی کام کر ڈالے وہ انسان نہیں جانور ہے۔

روزہ کب فرض ہوا؟

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے کے بعد تیرہ سال تک مکہ معظمہ ہی میں لوگوں کو خدائے پاک کا حکم سناتے اور تبلیغ کرتے رہے اور بہت زمانے تک سوائے ایمان لانے اور دوسروں کو بھی اسی کی طرف بلانے کے کوئی اور حکم نہ تھا۔ پھر آہستہ آہستہ خدائے پاک کے یہاں سے احکام آنا شروع ہوئے۔

اسلام کے ارکان میں سے ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز فرض ہوئی۔ پھر جب آپ مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں اور بہت سے احکام آنا شروع ہوئے۔ انھیں میں سے ایک ضروری حکم روزوں کا بھی تھا۔ سب سے پہلے عاشورا کا ایک روزہ فرض ہوا۔ اس کے بعد رمضان شریف کے روزوں کا حکم ہوا لیکن شروع میں اس کے اندر اتنی رعایت رہی کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے ایک روزے کے بدلے کسی غریب کو ایک دن کا کھانا

کھلا دے، دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آہستہ آہستہ آگے بڑھایا ہے چنانچہ جب اس طرح کچھ زمانہ گزر گیا اور لوگوں کو روزے رکھنے کی کچھ عادت ہوگئی تو معذور اور بیمار لوگوں کے سوا باقی سب کے حق میں یہ اختیار ختم کر دیا گیا اور ہجرت سے ڈیڑھ سال بعد ۱۰ شعبان ۲ھ ہجری کو مدینہ منورہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم آگیا[۱] اور ایمان کے چار اہم فرائض میں سے ایک بنیادی حکم بنا دیا گیا اور ان کے علاوہ اور کوئی روزہ فرض نہیں رہا۔

روزے فرض ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو سال زندہ رہے[۲]

پورے مہینے کے روزے کہاں سے فرض ہوئے؟ اور اس میں کیا حکمت ہے؟

علماء نے لکھا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں وہ دانہ یا پھل کھا لیا تھا جس سے خدا نے انھیں روکا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام کے پیٹ میں اس کا اثر پورے ایک مہینے تک رہا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی تو اتنے ہی دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا بس وہی تعداد اُن کی اولاد کے لئے بھی مقرر ہوئی[۳] یاد رہے کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے لیکن ہم ایک مہینے

---

[۱] زاد المعاد ج ۱ صفحہ ۱۶۰، شرح المواہب اللدنیہ ج ۸ صفحہ ۹۷، جمع الوسائل ج ۲ صفحہ ۹۲، عمدۃ القاری ج ۵ صفحہ ۱۶۲ یہ فرضیت کی تاریخ ۱۰ شعبان ۲ھ درمختار سے لکھی گئی ہے۔ شرح مواہب میں ہے کہ "۲ شعبان ۲ھ ہجری ...... کو روزہ فرض ہوا" اور بعض مصنفین نے ۸ شعبان بھی لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

[۲] حوالہ بالا [۳] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی جلد ۵ صفحہ ۱۶۳

کے روزے صرف اس لئے رکھتے ہیں کہ خدا کا حکم ہے۔

دوسرے اگر ایک مہینے سے کم مثلاً ایک آدھ ہفتے کے روزے فرض کئے جاتے تو انسانوں کی زندگی پر اس کا کوئی خاص اثر نہ پڑتا اور اپنے پر قابو پانے کی جو مشق ایک مہینے میں ہو جاتی ہے نہ ہو سکتی۔ اسی طرح ایک مہینے سے زیادہ مدت مقرر کرنے میں بھی تندرستی پر برا اثر پڑ سکتا تھا اس لئے خدائے پاک نے ایک مہینے کی مدت مقرر فرما دی۔ بس ہمارے لئے اسی میں بھلائی ہے۔

پھر چونکہ اس ایک مہینے کی تخصیص بھی ضروری تھی تاکہ تمام امت بیک وقت اجتماعی طور پر اس فریضے کو ادا کر سکے اور اس کے لئے اس زمانے سے زیادہ بہتر و موزوں بھلا اور کونسا زمانہ ہو سکتا تھا جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہو یعنی رمضان المبارک۔ اس لئے یہی مہینہ مقرر کر دیا گیا۔

شیطان کی گرفتاری

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُعْطِیَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَ خِصَالٍ فِیْ رَمَضَانَ لَمْ تُعْطَهُنَّ اُمَّةٌ قَبْلَهُمْ خُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْحِیْتَانُ حَتّٰی یُفْطِرُوْا، وَیُزَیِّنُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کو رمضان کے بارے میں پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو پہلے کسی امت کو نہیں ملیں۔

(۱) ان کے منہ کی بساند اللہ تعالیٰ کو مشک سے زیادہ پسند ہے۔

اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ کُلَّ یَوْمٍ جَنَّتَہٗ ثُمَّ یَقُوْلُ یُوْشِکُ عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ اَنْ یُلْقُوْا عَنْھُمُ الْمَئُوْنَۃَ وَیَصِیْرُوْا اِلَیْکِ وَتُصَفَّدُ فِیْہِ مَرَدَۃُ الشَّیٰطِیْنِ فَلَا یَخْلُصُوْا فِیْہِ اِلٰی مَا کَانُوْا یَخْلُصُوْنَ اِلَیْہِ فِیْ غَیْرِہٖ وَیُغْفَرُ لَھُمْ فِیْ آخِرِ لَیْلَۃٍ، قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَھِیَ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ؟ قَالَ لَا وَلٰکِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا یُوَفّٰی اَجْرَہٗ اِذَا قَضٰی عَمَلَہٗ۔

رواہ احمد والبزار والبیہقی[1]

(۲) ان کے لئے پانی کی مچھلیاں تک دعائیں کرتی ہیں اور افطار تک کرتی رہتی ہیں

(۳) (ان کیلئے) روزانہ جنت کو سجایا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ جنت سے فرماتا ہے کہ عنقریب میرے نیک بندے دنیا کی مصیبتوں اور پریشانیوں سے نکل کر تجھ تک پہنچنے والے ہیں۔

(۴) اس مہینے میں سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے تاکہ جن برائیوں تک وہ غیر رمضان میں پہنچ جاتے تھے اب نہ پہنچ سکیں۔

(۵) اور رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ کسی نے پوچھا یارسول اللہ! کیا یہ مغفرت کی رات ہی شب قدر ہوتی ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کام ختم ہو جاتا ہے تو مزدور کو اس کی مزدوری دیدی جاتی ہے۔

تشریح:۔ جہاں مال ہوتا ہے چور وہیں آتا ہے۔ رمضان کے مبارک مہینے کی تمام خوبیاں اور فضیلتیں سن کر جب اللہ کے نیک بندے عبادتوں کی طرف لپکتے اور دن رات خدا سے لو لگاتے ہیں تو عبادتوں کا چور شیطان بھی اپنی کوششیں بڑھا دیتا اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کسی نہ کسی طرح ان کا رمضان ضائع کرادیتا، لیکن قربان اس مولائے کریم کی مہربانیوں کے کہ اس نے رمضان المبارک کے قیمتی موقع اور

---

[1] ترغیب ج ۲ ص ۹۱

عبادتوں کے موسم کو ضائع کرانے والے شیطان کو اپنے فضل و کرم سے گرفتار کر کے جکڑ کر ڈال دیا[1]۔ اور رمضان بھر ہمارے لئے عبادتوں کا میدان خالی چھوڑ دیا۔

سارے دنوں میں تو ہم اگر نیکیوں کی طرف چلتے ہیں تو شیطان ہمیں اِدھر اُدھر کی سِکھا پڑھا کر روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے راستے کا یہ روڑا بھی رمضان بھر کے لئے صاف کر دیا اور حکم دیا کہ اب تو کچھ کر کے دکھاؤ، ہم اگر اب بھی پیچھے ہٹیں اور سستی کریں اور ایسے بہترین اور قیمتی موقع سے فائدہ نہ اُٹھائیں تو ہم سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں بڑے بڑے پاپی، گنہگار اور دنیا کو ستانے والے بھی کچھ نہ کچھ اللہ کی طرف توجہ کر لیتے ہیں اور اپنے بُرے فعلوں سے باز آجاتے ہیں یا کم از کم ہلکے پڑ جاتے ہیں اور تقریباً ہر ایک کے دل میں خدا کا خوف اور نیکیوں کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور بُرائی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

ایک شُبہ شاید کسی کے دل میں یہ بات آرہی ہو کہ ہم نے تو بہت سے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جن کے لئے رمضان اور غیر رمضان دونوں برابر ہیں اور ان کی بُرائی میں کچھ بھی کمی نہیں آتی تو کیا اُن کے شیطان بند نہیں ہوئے؟ یا بند ہو گئے تھے مگر کسی طرح چھوٹ چھٹا کر بھاگ آئے؟

---

[1] قلت ان النصوص تحمل علی ظواھرھا فالمفھوم من ظاھر الحدیث ھو التصفید المذکور، (مؤلف)

اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان تو سبھی بند ہو گئے ہیں اور خدا کے جیل خانے سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ نہیں لیکن اگر تم نے کبھی سلائی کی مشین چلتی دیکھی ہو گی یا بچپن میں پہیہ چلا کر کھیلے ہو گے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ جب آدمی مشین یا کسی گھومنے والی چیز کو چلاتا رہتا ہے اور پھر اس کو اچانک چھوڑ دیتا ہے تو وہ کچھ دیر تک بغیر ہاتھ لگائے بھی چلتی رہتی ہے۔ اب اگر کوئی تم سے پوچھے کہ بتاؤ اس مشین کو کون چلا رہا ہے ؟ تو تم کیا کہو گے ؟ یہی کہ جس شخص نے اسے دیر تک چلایا تھا اسی کے چلانے سے اب تک چل رہی ہے

بس جب تم اتنی بات سمجھ گئے تو یہ بات بھی آسانی سے سمجھ لو گے کہ ہمارے جسم کے کل پرزوں کی یہ مشین گیارہ مہینے تک شیطان نے خوب تیزی سے چلائی تھی اور شعبان کی تیس تاریخ کو جب اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو عید کی رات تک یہ مشین خود بخود چلتی رہی۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس پر گیارہ مہینے تک شیطان کا جتنا زیادہ قبضہ رہتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ رمضان میں بھی برائی میں پھنسا رہتا ہے اور جس نے گیارہ مہینے تک اپنی مشین کو شیطان کے قبضہ میں پوری طرح نہیں جانے دیا ہوتا وہ رمضان میں بڑی آسانی سے برائیوں سے بچ جاتا ہے اور نیکی کرنے کے لئے اُسے زیادہ زور نہیں لگانا پڑتا۔

دوسری ایک بات یہ بھی ہے کہ تمام گناہ شیطان ہی نہیں کراتا بلکہ انسان کا اپنا نفس اور بری صحبتیں اور غلط عادتیں بھی بہت سے گناہ کراتی ہیں[1]۔ لہٰذا اگر

---

[1] زرقانی شرح مواہب ج ۸ ص ۹۹

شیطان بند ہوگیا ہے تو باقی چیزیں بھی کچھ نہ کچھ اپنا اثر دکھاتی ہیں۔
ہماری سعادت اور نیک بختی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکر ادا کریں اور رمضان میں کچھ کرکے دکھائیں۔ اور شکر یہی ہے کہ خدا کے احکام اور اس کی مرضی کے سامنے اپنے دل کی خواہشوں کو ختم کردیں اور اس کی مرضی پر اپنی مرضی قربان کردیں ؎

جس میں ہوں آپ راضی میں بھی اسی میں راضی
میری وہی خوشی ہے جو آپ کی خوشی ہے

شیطان کی گرفتاری کا ایک دوسرا مطلب

ایک حدیث میں ہے:۔

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنْ اِبْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ [1] — شیطان آدمی کی رگوں میں خون کی طرح (ہر ہر جگہ) دوڑتا ہے۔

جب انسان کا پیٹ بھرتا ہے اور رگوں میں طاقت آتی ہے تو رگوں اور پٹھوں کے اندر سے شیطانی تحریکیں شروع ہوجاتی ہیں اور گناہوں کی طرف رغبت ہونے لگتی ہے اور جب پیٹ خالی ہوتا ہے تو برائی کا خیال بہت کم آتا ہے لہٰذا جب روزے کی وجہ سے پورے جسم پر بھوک و پیاس کا اثر ہوگا تو رگوں اور پٹھوں کا زور بھی کم ہوجائے گا اور اوپر کی حدیث سے معلوم ہوچکا ہے کہ انسان کے جسم میں شیطان کا ٹھکانا رگیں ہیں، لہٰذا جب رگیں کمزور رہیں گی تو شیطانی طاقت بھی غرض

---

[1] بخاری، مسلم عن صفیۃ کما فی تخریج العراقی علی الاحیاء ۱۲ ص ۲۵۰

کم ہو گی۔ اور وہ گویا مہینہ بھر تک بغیر ہاتھ پیر کا ہو کر پڑا رہے گا اور کچھ نہ کر سکے گا۔

روزے کے فضائل

اب تک بہت سی باتیں رمضان المبارک کی فضیلت کے بارے میں معلوم ہو چکی ہیں۔ اب روزے کی فضیلت کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنیئے :۔

(۱) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانُ لَا يَدْخُلُهُ اِلَّا الصَّائِمُوْنَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک کا نام ہے "رَیّانُ" (سیراب و سرسبز) اس میں صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔

رواہ البخاری ومسلم [۱]

تشریح:۔ اگر تم نے کبھی کسی شہر میں کوئی وزیر آتے دیکھا ہوگا تو شاید یہ بھی دیکھا ہو کہ اس کے ٹھہرنے کے مکان کا جو دروازہ ہوتا ہے اس کے علاوہ بہت دور ہی سے اس کے لئے کئی کئی دروازے خوب پھول پتّیوں سے سجا کر بنائے جاتے ہیں تو کیا وہ وزیر ان سرسبز دروازوں کے بغیر نہیں آسکتا تھا؟ ضرور آسکتا تھا لیکن یہ کئی کئی تازہ اور خوبصورت دروازے صرف اس کے اعزاز میں اور اس کی شان ظاہر کرنے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔

---

۱ مشکوٰۃ ص۱۷۳ (مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۱۳۷۵ھ)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نیک بندوں کے لئے جنّت میں بہت سے دروازے بنا رکھے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نماز کا دروازہ الگ ہے، جہاد کا الگ ہے، زکوٰۃ اور صدقہ خیرات کا الگ ہے[1] اور یہ سب اپنے بندوں کو خوش کرنے اور اُن کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے ہے ورنہ آنے جانے کے لئے ایک دروازہ بہت ہے، اور یہ مناسبت بھی تو دیکھئے کہ روزے دار کے دروازے کا نام ہے رَیّان (سیراب و سرسبز)

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ یُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ الحدیث (رواہ البخاری و مسلم)[2]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی ہر نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک دیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ روزے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ روزہ اس قانون سے الگ ہے اس کا بدلہ میں خود دیتا ہوں کیونکہ وہ صرف میرے ہی لئے ہے۔ یہی وجہ ہے میرا بندہ اپنی نفسانی خواہش اور کھانے پینے سے رُکا رہتا ہے۔ روزہ دار کے لئے خوشی کے دو (خاص) موقعے ہیں ایک تو (دنیا میں) افطار کے وقت سارے دن بھوکا پیاسا رہ کر شام کو کھانے پینے کا لطف اُٹھانے میں) اور دوسرا (آخرت میں) اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت، اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کو مُشک سے بھی زیادہ پسند

---

[1] بخاری و مسلم عن ابی ہریرۃ۔ مشکوۃ ص ۱۶۵ [2] مشکوۃ ص ۱۷۳

تشریح:۔ اس حدیث پاک میں کئی چیزوں کا بیان ہے۔

(۱) پیچھے[1] جو بیان گزرا وہ یہ تھا کہ ایک ہی عمل مختلف حالات میں کتنے درجے تک بڑھتا ہے اور یہاں اس کا بیان ہے کہ اس عمل پر جو نیکی ملتی ہے وہ کے گُنا تک بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ یہ تو خدا کے یہاں کا کم سے کم بھاؤ ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ اس حدیث میں سات سو گنا تک بتایا گیا ہے یعنی اگر کوئی شخص راہِ خدا میں مثلاً ایک پیسہ دے تو سات سو پیسوں کا کا ثواب ہے اور ایک آیت پڑھے تو سات سو آیتوں کا، ایک قرآن مجید پڑھے تو سات سو قرآن مجید پڑھنے کا ثواب ملتا ہے لیکن قرآن و حدیث میں غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ حد بھی کوئی آخری حد نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ	جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے
سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ	ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو اور
سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ	اس سے سات بالیں پیدا ہوں اور ہر بال میں
(سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۶۱)	سو سو دانے ہوں۔

یہاں تک تو وہی بات ہوئی جو اس حدیث میں ہے یعنی سات سو گنا لیکن آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ	اور اللہ جس کیلئے چاہے اس سے بھی زیادہ بڑھادے
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ؕ (بقرہ - ۲۶۱)	(کیونکہ) اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے اس کے یہاں

---

[1] دیکھئے عنوان "رمضان شریف میں نیکیوں کی قیمت" ص۳۶

تنگی نہیں ہے اور خوب جاننے والا ہے۔

اس "وَاسِعٌ" کے لفظ سے پتہ چلا کہ جس کے لئے چاہتے ہیں بے شمار بڑھاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وسعت و فراخی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیُرَبِّیْ لِاَحَدِکُمُ التَّمْرَۃَ وَاللُّقْمَۃَ کَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُکُمْ فَلُوَّہٗ اَوْ فَصِیْلَہٗ حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلَ اُحُدٍ۔ (رواہ الطبرانی وابن حبان فی صحیحہ عن عائشہؓ)[1]	اللہ تعالیٰ تمہارے (صدقہ کئے ہوئے) ایک کھجور کے دانے اور ایک لقمہ کی ایسی پرورش کرتا اور ایسا بڑھاتا ہے جیسے تم کسی بچھیرے یا (بوتے) اونٹنی کے بچے کو پالتے اور بڑھاتے ہو یہاں تک کہ وہ اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

اب ذرا غور کرو کہ اگر اُحد پہاڑ کے کھجور کے برابر ٹکڑے کئے جائیں تو کیا سات سو ہی ہوں گے؟ سنکھوں مہاسنکھوں سے بھی آگے نوبت پہنچے گی لیکن یہ خیال رہے کہ یہ بڑھنا بقدر اخلاص کے ہوتا ہے۔ جتنا اخلاص زیادہ ہوگا اتنا ہی ثواب بڑھتا جائے گا۔ اسی وجہ سے صحابۂ کرام کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ۔

لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفَہٗ (رواہ البخاری ومسلم)[2]	اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دو تب بھی اُن کے ایک سیر بلکہ آدھ سیر کے برابر نہیں ہو سکتا۔

ظاہر ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ سے (توبہ توبہ) کوئی رشتہ داری تو ہے نہیں صرف اتنی بات ہے کہ ان حضرات کے اندر خلوص بہت زیادہ تھا جس کی وجہ سے ان کا

لہ ترغیب ج ۲ صلا   ٹہ مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۳

ایک کلو اور آدھا کلو دوسروں کے پہاڑوں سے بھی زیادہ قیمتی اور وزندار ہے۔

اس پوری گفتگو سے یہ بات صاف معلوم ہو گئی کہ عام نیکیوں کا ثواب بھی اگر وہ اخلاص سے ہوں تو اتنا بڑھتا ہے کہ ایک کھجور اُحد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے اور اس حدیث میں روزے کو عام نیکیوں سے الگ کر کے بیان کیا گیا ہے کہ روزہ اس عام قانون سے الگ ہے، تو آپ سوچئے کہ روزے کا انعام کیا کچھ ہو گا۔

(۲) اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "روزے کا بدلہ میں خود دیتا ہوں یعنی دوسری نیکیوں کا بدلہ تو فرشتوں وغیرہ کے ذریعے دلا دیا جائے گا لیکن اس کا بدلہ اللہ ربُّ العزّت بذاتِ خود عطا کرے گا اور آپ جانتے ہیں کہ جو چیز بادشاہ کے غلاموں کے ہاتھ سے تقسیم کرائی جائے اس میں اور بادشاہ کی اپنے ہاتھ سے دی ہوئی چیز میں کتنا بڑا فرق ہونا چاہیئے۔ علامہ قسطلانی کہتے ہیں کہ بڑے اور اونچے لوگ جب کوئی چیز دینا خود اپنے ذمّے لے لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ دینا چاہتے ہیں[۱] تو خلاصہ یہ نکلا کہ روزے کے انعامات کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں۔

اور یہ جو فرمایا کہ "یہ میرے ہی لئے ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عبادت کی کوئی نہ کوئی ظاہری شکل و صورت نظر آتی ہے جس کی وجہ سے اس میں دنیا کی اغراض دکھاوے وغیرہ کا اثر ہو سکتا ہے لیکن روزہ ایک ایسی خاموش عبادت ہے کہ زبان سے ظاہر کئے بغیر کوئی دوسرا اس کا پتہ ہی نہیں پا سکتا۔ بس یا تو بندہ جانتا

---

[۱] شرح المواہب اللدنیہ ج ۸ ص ۹۵

ہے یا جس اللہ کے لئے روزہ رکھا ہے اسے معلوم ہے۔[1]

چنانچہ ایک حدیث میں ہے:۔

لَيْسَ فِي الصَّوْمِ رِيَاءٌ[2] — روزے میں دکھاوا نہیں

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو یہ عبادت بہت پسند ہے۔

علامہ قرطبی نے بھی اس کا ایک بڑا اچھا مطلب بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بندے جتنے بھی اعمال کرتے ہیں اپنی اپنی عادتوں اور مزاجوں کے مطابق کرتے ہیں لیکن روزے میں بندہ اللہ کی ایک صفت لیکر عبادت کرتا ہے۔ کھانے پینے وغیرہ سے آزاد ہونا خدا کی صفت ہے۔

هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ — وہ کھلاتا ہے کھاتا نہیں

تو گویا خدائے پاک یہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرے حکم سے میری ایک صفت اپنائی ہے اس لئے بس میں خود ہی اس کا بدلہ دوں گا۔[3]

حدیث پاک کے اسی جملے "اَجْزِيْ بِہٖ" کو بعض علماء[4] نے "اُجْزٰی بِہٖ"[5]

---

[1] کسی فارسی شاعر نے کہا ہے:۔ میانِ عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

[2] رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی زہر الربیٰ ص۳۰۹ للسیوطی (مصری)

[3] شرح المواہب اللدنیہ ج۸ ص۲۹۳ (مصری) بزیادۃ

[4] ملا علی قاری نے شرح عین العلم میں بصیغۂ مجہول بھی نقل کیا ہے اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے تو اپنی کتاب مالا بدمنہ میں لیا ہی صرف اس کو ہے۔ دیکھئے مالا بدمنہ ص۹۹ (مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ)

[5] بیناء المجہول ولکن ضعفہ بعض المحققین من حیث القواعد العربیہ، واللہ اعلم۔

بھی نقل کیا ہے۔ اس طرح اس کے معنی اور بھی بلند ہو جاتے ہیں بمطلب اس صورت میں یہ بنتا ہے کہ "روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی خود اس کا بدلہ ہوں" ادب جسے خدا مل گیا ساری خدائی اس کا ادنیٰ غلام ہے ؎

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری (خواجہ مجذوبؒ)

(۳) تیسری بات اس حدیث پاک میں یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ اپنی خواہشات اور کھانا پینا میری وجہ سے چھوڑ دیتا ہے" حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہم چھوڑتے کچھ بھی نہیں بلکہ شاید رمضان کا اوسط دوسرے مہینوں سے کچھ زیادہ ہی ہو جاتا ہے[1]

ناشتے کے بدلے افطاری ہے اور دوپہر کا کھانا ذرا پہلے کر کے سحری ہوگئی۔ چنانچہ ایک موقع پر آپؐ نے سحری کو "غداء" (دوپہر کا کھانا) کہا بھی ہے[2] اور شام کا کھانا تو جوں کا توں اپنی جگہ ہے ہی، لیکن اللہ تعالیٰ کے بے پناہ کرم کو تو دینے کا کوئی بہانہ چاہیئے۔ اس ذرا سے اُلٹ پھیر ہی کو چھوڑنا ٹھیرا کر اتنا بڑا انعام دے دیا۔

(۴) اس حدیث شریف میں روزہ دار کی دو خوشیاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو دنیا میں ہے۔ یعنی جب انسان روزہ کھولتا ہے تو اُسے خوشی ہوتی ہے کیونکہ

---

[1] جو لوگ گھروں کا خرچ چلاتے ہیں ان سے پوچھو تو معلوم ہوگا کہ رمضان کا خرچ اوسطاً سے ڈیڑھ دو گنا ہوتا ہے [2] مشکوٰۃ ص۱۷۶ عن العرباض بن ساریۃ۔

انسان کا مزاج ہے کہ بھوک اور پیاس میں اس کو جب کھانا پانی مل جاتا ہے تو اُسے ایک طبعی خوشی ہوتی ہے اور ہر انسان کو ہوتی ہے اور جو ذرا کھانے پینے کا سوقین بھی ہو تو اس کی تو ایک چھوٹی سی عید ہی ہو جاتی ہے اور اللہ والوں کی خوشی کی اور بھی کئی وجہیں ہیں مثلاً یہ کہ اللہ کا شکر ہے اُس نے ہمارے روزے کو ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھا اور پورا کرا دیا اور خدا کو راضی کرنے اور اس سے قریب ہونے کا ایک ذریعہ حاصل ہو گیا تو گویا دنیا میں بھی دونوں قسم کے لوگوں کے لئے دونوں طرح[1] کی خوشیاں مل گئیں۔ اور دو خوشیوں کے بیان کے ساتھ ساتھ چپکے سے ایک عظیم الشان خوشخبری یہ بھی سنادی کہ آخرت میں روزہ داروں کو خدائے پاک سے ملاقات بھی نصیب ہو گی۔ اور ملاقات بھی ایسی نہیں کہ ڈرتے ڈرتے اور جھجکتے جھجکتے ہو بلکہ خوب خوش وخرم ہو کر ملاقاتیں ہوں گی۔

(۵) اس حدیث شریف میں جس بُو کا ذکر ہے یہ وہ بساند ہے جو معدہ خالی رہنے کی وجہ سے روزہ دار کے منھ میں سے آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ بساند درحقیقت منھ کی نہیں ہوتی بلکہ پیٹ خالی ہونے کی وجہ سے شام کے وقت معدے کے اندر ایک قسم کی بُو پیدا ہو جاتی ہے[2]۔

اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بُو کے مُشک سے زیادہ پسندیدہ ہونے کے بہت سے

---

[1] بہارِ عالم حُسنش دل وجان تازہ میدارد
برنگ اصحابِ صورت را ببو اربابِ معنیٰ را

[2] مرقاۃ ج۲ ص۲۲

مطلب بیان کیے گئے ہیں[۵۱] لیکن سب سے صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نظر میں اس بُو کا وہ مقام ہے جو انسانوں کے نزدیک دنیا کی تمام خوشبوؤں کے مقابلے میں مشک کا ہے۔

اب آپ ذرا اس پر غور کیجئے کہ یہ بلند درجہ کسی نیکی کا نہیں بتایا جارہا بلکہ صرف ایک بُو کا ہے جس کو اور ذرا صاف لفظوں میں ہم بدبو کہہ سکتے ہیں لیکن چونکہ اس بدبو کو روزے کے ساتھ ذرا سا تعلق ہے کہ وہ روزے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس بدبو کی بھی قسمت جاگ اٹھی ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است[۵۲]

تو بدبو اب بھی بدبو ہی ہے لیکن ہزار خوشبوئیں اس پر نثار ہو سکتی ہیں اور یہ سب کس لئے؟ روزے کی بدولت ؎

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد　　　　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم[۵۳]

---

[۵۱] علامہ سیوطی نے زہر الربی (ج ۱ صفحہ ۳۱) میں سات مطلب بیان کئے ہیں، مواہب لدنیہ میں بھی سات مطلب لکھے ہیں اور علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں تین مطلب اور زیادہ لکھے ہیں (جلد ۸ صفحہ ۹۴، صفحہ ۹۵) حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب دام مجدہم شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور نے بھی اپنے رسالے فضائلِ رمضان میں اس کے کئی مطالب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[۵۲] مقصد شعر کا یہ ہے کہ کچھ نہیں تو دُور کا واسطہ بھی بہت ہے۔

[۵۳] شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ ساتھ والے کی خوبی کا اثر ہے جو مجھ میں نظر آرہا ہے ورنہ میں تو جو پہلے تھا وہی اب بھی ہوں۔

توجب روزے کی وجہ سے پیٹ کی بدبو کو یہ درجہ حاصل ہوجائے تو بھلا روزے کے اصل مقام کا کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے[51]، سچ فرمایا واقعی روزے کا بدلہ تو خود خدا ہی ہے۔

ایک شبہ رہا یہ شبہ کہ جب یہ بدبو اللہ کو ایسی پسند ہے تو پھر تو روزے کی حالت میں شاید مسواک کرنا بھی ٹھیک نہ ہو کیونکہ اس سے بدبو ختم ہوجائے گی۔ اس کا جواب اوپر کی سطروں میں آچکا ہے کہ یہ بو منھ کی نہیں ہے جو مسواک سے ختم ہوجائے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں خوب مسواک کی ہے[52]، اور ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں۔ "مسواک کرنا روزہ دار کے لئے بڑی اچھی بات ہے[53]" اس لئے آپ بے کھٹکے مسواک کر سکتے ہیں۔

(۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روزے اور قرآن مجید دونوں بندے کی شفاعت کریں گے روزہ کہے گا اے پروردگار میں نے دن کے وقت اس کو کھانے پینے اور نفسانی خواہشات پورا کرنے سے روکے رکھا تھا آپ اس کے حق میں

---

[51] مرقاۃ جلد ۲ صفحہ ۴۹۵ [52] مشکوۃ صفحہ ۱۷۶ عن عامر بن ربیعہ

[53] رواہ ابن ماجۃ والدارقطنی عن عائشۃ۔ مرقاۃ جلد ۲ صفحہ ۵۲۲ [54] ہکذا بالواو فی المشکوۃ والجمع و شرح القاری فی المرقاۃ بالواو ولکن وقع فی النسخۃ الموجودۃ عندی من الترغیب بحذف الواو و ہو سہو۔

بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ فَيُشَفَّعَانِ،
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان والحمد والطبرانی فی الکبیر ورجالہ محتج بہم فی الصحیح ورواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب الجوع وغیرہ باسناد حسن والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم)[1]

میری شفاعت قبول فرمایئے اور قرآن مجید کہےگا کہ میں نے رات کے وقت اس کو (نماز کے اندر تلاوت کی وجہ سے) جگائے رکھا تھا اس لئے اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمایئے حضور فرماتے ہیں کہ ان دونوں کی شفاعت روزہ دار کے حق میں قبول کرلی جائے گی۔

تشریح: ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے، قیامت کے اس ہولناک وقت میں جبکہ اچھے اچھے پریشان ہوں گے روزے اور قرآن مجید جیسے مقرب اور با اثر سفارشی کا مل جانا کس قدر قیمتی نعمت ہوگا جبکہ انبیاء و اولیاء تک خدا کی عظمت و جلال سے سہمے ہوئے ہوں گے اور خدا کی مخلوق اپنے گناہوں کی وجہ سے سخت پسینے میں ہوگی۔ کوئی گھٹنے تک تو کوئی گردن تک اور کوئی پورا کا پورا پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا اور یہ سورج جس کی تپش آج اتنی دور سے پریشان کئے دیتی ہے اس دن بالکل سر پر کھڑا ہوا بھیجے کھولا رہا ہوگا۔ ایسے نازک وقت میں خدائے پاک کا خود اپنا کلام پاک کسی کی شفاعت کرے اور وہ مبارک عمل روزہ جسے اللہ تعالیٰ اپنا کہہ چکا ہے کسی بندے کو بخشوائے تو بتلایئے اس سے بڑھ کر اور کیا دولت ہوگی، جس کے پاس دو سرکاری سفارشی اور محافظ موجود ہوں اس کی نجات میں کیا شک ہے۔

لیکن واہ رے غافل انسان! ساری باتیں جانتا ہے اور بار بار سنتا ہے اور

---

[1] مشکوٰۃ ص۱۷۳، مجمع الزوائد ج۳ ص۱۸۱، ترغیب جلد ۲ ص۸۴، ص۳۵۳

مرنے میں بھی کوئی شک نہیں مگر پھر بھی سستی ہے، کاہلی ہے، نفس کے دھوکوں میں پھنسے رہتا ہے، دنیا کی فنا ہو جانے والی لذتوں کے پیچھے جن میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو فنا کے گھاٹ نہ اُترتی ہو۔ آخرت کی ہمیشہ باقی رہنے والی لذتوں کبھی نہ فنا ہونے والی راحتوں کو بھولا ہوا ہے۔

انسان اپنی آنکھ سے بچے بھی مرتے دیکھتا ہے، بوڑھے اور جوان بھی مرتے دیکھتا ہے، بیمار بھی مرتے ہیں اور صحتمند بھی اپنے گھر پر بھی مرتے ہیں اور آئے دن ریلوں، موٹروں اور جہازوں کے حادثات میں اچانک موتیں بھی ہوتی ہیں، لیکن خدا جانے کیوں اپنی عمر بہت لمبی سمجھے ہوئے ہے، کیوں اپنے لئے عمل کرنے کا بہت سا موقع سمجھ رکھا ہے۔

ہر عقلمند انسان جانتا ہے کہ آئندہ آنے والی ہر ضرورت کا انتظام اس کے پیش آنے سے پہلے ہی کیا جاتا ہے۔ سردی کے گرم اور موٹے کپڑے سردی شروع ہونے سے پہلے بنتے ہیں، شادی کی تیاری شادی کی تاریخ سے پہلے ہی ہوتی ہے ٹکٹ گاڑی پر چڑھنے سے پہلے ہی خریدا جاتا ہے، چھتری کا انتظام بوندیں شروع ہونے سے پہلے کیا جاتا ہے، تو کیا موت کی تیاری موت کے بعد ہوگی؟ اگر ایسا نہیں تو بتلائیے کہ جس تاریخ کو آپ یہ سطریں پڑھ رہے ہیں اس کے علاوہ کونسی تاریخ اور کونسا دن آپ کے پاس یقینی ہے؟

کسی کام کی تیاری نہ کرنا اور یہ کہے چلے جانا کہ "جو ہوگا دیکھا جائے گا" بالکل دیوانگی اور پاگل پن ہے، یہ جملہ کوئی عقلمند آدمی نہیں بول سکتا۔ جب مصیبت آجاتی ہے اس وقت اس قسم کے دیوانوں کے ہوش ٹھکانے آتے ہیں۔

لیکن اس وقت عمل کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، پانی سر سے اُتر چکا ہوتا ہے، تیر کمان سے نکل چکا ہوتا ہے، اُس وقت سوائے افسوس اور ہائے ہائے کرنے کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ زندگی کے یہ صبح و شام ہی عمل کرنے کا موقع اور وقت ہیں ہر دن موت کو کھینچ کر ہمارے پاس لئے چلا آرہا ہے۔ شام کو جب سورج مغرب میں جا کر ڈوبتا ہے تو آپ کا اور میرا ایک دن لے کر ڈوبتا ہے۔ پھر صبح جب مشرق سے سر اُٹھاتا ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ لے یہ ایک دن تجھے اور مل رہا ہے کچھ کرنا چاہے تو آ تو بھی میرے ساتھ دوڑنا شروع کر دے، بس اب ہماری کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ خود ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہے ہم جیسا چاہیں فیصلہ کر لیں۔

تنبیہ اِس حدیثِ پاک سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کلام اللہ کی تلاوت کا زیادہ ثواب رات کو نمازوں میں پڑھنے پر ملتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ آدمی پوری ہی رات جاگے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اور دنوں کے مقابلے میں کچھ کم سوئے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت بھی عموماً پوری رات جاگنے کی نہ تھی بلکہ سوتے بھی تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔

روزوں میں روزی کی زیادتی

اللہ تعالیٰ نے دن کے وقت ہم کو روزے کا حکم دے کر کھانے پینے سے روک دیا ہے لیکن کیا اس کا مطلب (توبہ توبہ) یہ ہے کہ اللہ کے یہاں اب ہمارے لئے روزی کی کمی ہو گئی ہے اس لئے روزہ بھیج دیا؟ ہرگز نہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

شَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ[1] یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے

خدائے پاک نے اس ماہِ مبارک میں صرف روزہ ہی نہیں بھیجا روزی بھی بھیجی ہے۔

روزی بڑھنے کا مطلب

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

ثَلَاثَةٌ لَيْسَ عَلَيْهِمْ حِسَابٌ فِيْمَا طَعِمُوْا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِذَا كَانَ حَلَالًا اَلصَّائِمُ وَالْمُتَسَحِّرُ وَالْمُرَابِطُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر[2])

تین آدمیوں کے کھانے کا انشاء اللہ کوئی حساب نہ ہوگا بشرطیکہ حلال کمائی سے کھائیں (۱) روزہ دار (۲) سحری کھانے والا (۳) راہِ خدا میں کام کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہنے والا۔

آدمی کا وہی مال اس کا رزق کہلا سکتا ہے جسے وہ کھاتا ہے۔ سونا چاندی مال ضرور ہے لیکن عام بول چال میں اسے روزی نہیں کہہ سکتے تو جب مومن کو یہ معلوم ہوگا کہ اس مہینے میں میرے کھانے پینے کا حساب نہیں ہے تو وہ اپنے رکھے ہوئے مال کو خوب کھائے گا اور اچھے سے اچھا کھائے گا اور اس طرح عام دنوں کے مقابلے میں رمضان کے اندر کھانا پینا زیادہ ہوگا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رمضان المبارک میں غریب سے غریب بھی اور دنوں کی بہ نسبت کچھ بہتر ہی کھاتا ہے تو گویا رکھا ہوا مال روزی بن گیا

(۲) پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گزرا ہے کہ یہ مہینہ ہمدردی اور غمخواری کا ہے تو روزی کے بڑھنے کی ایک صورت یہ بھی ہوئی کہ خرچ کرنے کا اور دوسروں پر اپنا مال لٹانے کا جذبہ بڑھا کر گھروں میں پڑا ہوا مال باہر لایا جاتا ہے

---

[1] مشکوٰۃ ص۱۷۳ عن سلمان رضی اللہ عنہ [2] ترغیب ج۲ ص۱۳۹ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

اور اس طرح مال و دولت کی گردش اور اس کے اُلٹ پھیر میں اضافہ ہوتا ہے جس کا فائدہ پورے معاشرے کو پہنچتا ہے۔

اِس طرح یہ سبق دیا جاتا ہے کہ اگر تمام لوگ اپنی اپنی کمائی کو روک رکھنے کے بجائے اس کو معاشرے کے تمام لوگوں محتاجوں مفلسوں میں پہنچائیں تو آپس کی بہت سی خرابیاں دُور ہوں گی اور سرمائے کی گردش بڑھ جانے سے ہر ایک کی خوش حالی میں اضافہ ہوگا۔

(۳) روزی کے زیادہ ہونے کی تیسری صورت یہ ہے کہ جب خدائے پاک نے اپنے بندوں کو پورے دن روزی کے استعمال سے رُکے رہنے کا حکم دیا اور وہ بخوشی مان گئے اور شام تک نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ حالانکہ جُوں جُوں دن گزرتا تھا ہر دم اُن کا نفس کھانے پینے کا تقاضا کرتا تھا لیکن وہ بار بار سمجھاتے تھے کہ صبر کر خدا کا حکم نہیں ہے۔ جب خدائے تعالےٰ نے اپنے بندوں کی یہ حالت دیکھی تو اسے رحم آیا اور خوش ہوکر اس نے اپنی قدرت سے روزی میں خوب برکت ہونے کا فیصلہ کر دیا۔

اسی طرح اس مہینے میں صدقہ خیرات پر آمادہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۚ — اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

(سورہ بقرہ - آیت ۲۷۶)

اس بڑھنے کی ایک تفسیر یہی کی گئی ہے کہ جس مال میں سے زکوٰۃ دی جاتی ہے اس میں خوب برکت ہوتی ہے[1]

---

[1] تفسیر البیضاوی ص۱۴۲ (مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۱۳۸۵ھ)

بندے کے نزدیک یہ تیسرا مطلب زیادہ بہتر ہے[1]۔ اور تینوں مُراد لینے میں بھی حرج نہیں۔

برکت کسے کہتے ہیں؟

برکت کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو اللہ تعالیٰ مال ہی بڑھا دیتے ہیں اور دیکھتی آنکھوں چیز بڑھ جاتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک بار ایک پیالہ پانی تین سَو آدمیوں کے لئے کافی ہو گیا تھا[2]۔ دوسری صورت برکت کی یہ ہوتی ہے کہ مال تو جتنا تھا اتنا ہی رہے لیکن تمام ضرورتیں اسی میں پوری ہو جائیں اور اُلٹے سیدھے خرچے زیادہ پیچھے نہ لگیں۔ خدائے پاک جس کے لئے جس طرح کی برکت بہتر سمجھتا ہے دے دیتا ہے۔

فائدہ ۵:۔ بعض علماء نے اس روزی سے روحانی غذا بھی مُراد لی ہے[3] اور ظاہر ہے کہ روحانیت کے لحاظ سے بھی رمضان سے بڑھ کر اور کونسا مہینہ ہو سکتا ہے۔ لیکن حدیثِ پاک کا سیدھا اور صاف دبے تکلف مطلب وہی ہے جو اوپر لکھا گیا۔

روزے کے دینی فائدے

روزے میں دین و دنیا کے اس قدر فائدے ہیں کہ نہ عقلِ انسانی ان تمام کو

---

[1] یہ مطلب راجح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث میں لفظ "یُزْدَادُ" نہیں بلکہ "یُزَادُ فِیْہِ" ہے اور اس لفظ سے زیادہ قریب تیسری ہی صورت ہے لیکن خدا جانے میری یہ نکتہ آفرینی کسے پسند آئے گی اور کسے نہیں (مؤلف) [2] حیاۃ الصحابہ ج ۳ ص ۶۲۸ بحوالہ دلائل النبوۃ ص ۱۴۵ و تاریخ ابن کثیر ج ۶ ص ۹۳ [3] مرقاۃ ج ۲ ص ۴۹۹

پہنچ پا ہی سکتی ہے اور نہ انسانی دماغ اُن کو شمار کر سکتے ہیں۔ انسان کے خالق و مالک نے انسان کو جس چیز کا حکم دیا ہے اس میں فائدے کے علاوہ اور ہو کیا سکتا ہے؟ اور انسان کے بنانے والے خدا سے زیادہ انسان کے فائدے اور کون سمجھ سکتا ہے؟ اور اگر کوئی شخص اس کا دعویٰ کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا دماغ چل گیا ہے، وہ دیوانہ ہے، اُسے بکنے دو، جس طرح اور بہت سے عقل کے بجاریوں اور فکر کی عقل نہ رکھنے والوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں اس کی قسمت میں ہوا تو اُس کی بھی کھل جائیں گی

(۱) خالقِ کائنات نے اپنے کلام مجید میں اس کا ایک بہت اہم فائدہ یہ بتایا ہے:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿سورہ بقرہ آیت ۱۸۳﴾	اے ایمان والو! جس طرح تم سے پہلی اُمتوں پر روزے فرض کئے گئے تھے تم پر بھی کئے جاتے ہیں شاید کہ تم روزے کی بدولت رفتہ رفتہ متقی (پرہیزگار) بن جاؤ۔

تقویٰ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے صحیح معنیٰ ہیں کسی راستے سے بچ بچ کر سنبھل سنبھل کر احتیاط کے ساتھ اُلجھے بغیر گزر جانا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا روزہ تم پر اس لئے فرض کیا جا رہا ہے تاکہ تم کو سنبھلنا اور بچ نکلنا آجائے۔ اب آپ سمجھ لیجئے کہ جس شخص کو زندگی کی راہوں میں سنبھل کر چلنا آگیا اُسے کیا نہیں آیا؟

انسان کو اس کے دین اور اس کی عقل کے تقاضوں پر چلنے سے روکنے والی خود اسی کے اندر ایک چیز ہے جس کو شریعت کی زبان میں "نفس" کہتے ہیں! انسان پر نفس کا جتنا غلبہ ہوتا ہے اتنا ہی وہ دینی تقاضوں سے بھاگتا اور شیطانی حرکتوں میں مبتلا ہوتا ہے۔

اور نفسانیت کو اصل طاقت غذا سے ملتی ہے جس قدر شاندار غذائیں استعمال کی جاتی ہیں اسی قدر نفسانیت کا زور رہوتا ہے، لہٰذا اگر عقل و شریعت کے تقاضوں کی پابندی کرنی ہے تو سب سے پہلے نفسانیت[1] پر کنٹرول کرنا ضروری ہے اور اس کی صرف یہی ایک ترکیب ہے کہ جہاں سے اسے طاقت ملتی ہے اس پر پابندی لگائی جائے۔ بس جتنا غذائی نظام قابو میں ہوگا اتنا ہی ان تقاضوں کا پورا کرنا آسان ہوگا۔

دینِ اسلام چونکہ انسان کو انسانیت کی تعلیم دینے کے لئے آیا ہے اس لئے اس نے روزہ کے ذریعے نفسانیت پر کنٹرول کرنا سکھایا۔ روزے سے انسان کی نفسانیت اور بہیمیت (جانور پنا) کمزور پڑ جاتی ہے اور ہر بھلائی کی طرف چلنا انسان کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ بس انسان کی راہ میں سب سے زیادہ الجھنیں اور روڑے خواہشاتِ نفسانی ہی کے ہیں جس کو ان پر قابو پانا آگیا وہ متقی اور پرہیزگار بن گیا یعنی عقل و انسانیت و شرافت کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کے

---

[1] درحقیقت نفس کے تقاضوں کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ اس کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے چیزیں فراہم کئے چلا جانا دراصل ایک طفلانہ حرکت اور خام خیالی ہے۔ نبی امی (روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا ہی حقیقت افروز فرمان ہے کہ "اگر اس فرزند آدم کے پاس مال کے دو جنگل بھی ہوں تب بھی یہ تیسرے کی تمنا کرے گا۔" (بخاری، مسلم) اصل علاج اس کا یہی ہے کہ خواہشات پر کنٹرول کیا جائے۔ افسوس کہ آج کی جدید تاریک خیالی نے جس کا نام زمانے کی بدقسمتی سے روشن خیالی پڑ گیا ہے اس جوع البقر کا علاج کثرتِ غذا تجویز کر دیا ہے۔

قابل ہو گیا۔

اس چیز کو سامنے رکھتے ہوئے ذرا سوچئے کہ روزے نے انسان کو کیا کچھ دیا اور اس میں کتنا قیمتی جوہر پیدا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں کوئی روحانی مذہب ایسا نہیں جس نے کسی نہ کسی شکل میں روزے اور برت کی تعلیم نہ دی ہو۔

اس حیثیت سے اگر ہم دیکھیں تو درحقیقت روزہ پوری شریعت پر عمل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ اور نفس و شیطان کے مقابلے میں ایک قیمتی ہتھیار ہے اور سچ پوچھو تو دنیوی کامیابی بھی اس سے بڑی اور کوئی نہیں کہ انسان ہر اچھا کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(۲) انسان کا مزاج ہے کہ جب تک خود اُس پر نہ پڑے دوسرے کی مصیبت کا اندازہ بہت کم ہوتا ہے۔ روزے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے دولتمند کو بھی جب ایک بار بھوک و پیاس کا ذائقہ چکھنے کا موقع ملتا ہے تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ جو حالت میرے اوپر آج چند گھنٹوں کے لئے آئی ہے بیچارے غریب اور مفلس بندے اسی میں ہفتے اور مہینے نہیں عمریں گزار دیتے ہیں اور اپنے لاڈلے بیٹے کے روزے کے دن جو اس کا پھول سا چہرہ مُرجھایا ہوا اور اس کے پیاسے پیارے پنکھڑی سے ہونٹ پپڑائے ہوئے مجھ سے دیکھے نہیں جاتے تھے اور نظر پڑتے ہی آنسو نکلے پڑتے تھے۔ ہائے یہ غریب اپنے اکلوتے لالوں کو ہمیشہ اسی حالت میں دیکھتے اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ اس طرح جب مال والوں کو غریبوں کی حالت کا اندازہ ہوگا تو ان کے دلوں میں ہمدردی پیدا ہوگی اور حاجت مندوں پر خرچ کرنے کا مزاج پیدا ہوگا۔

جس قوم کے امیروں میں غریبوں سے ہمدردی ہو اور تلاش کر کر کے محتاجوں غریبوں کی ضرورتیں پوری کرنے کا مزاج ہو وہاں قوم کے مفلس اور کمزور لوگوں کو سنبھلنے کا موقع ملے گا اور آپس میں امیروں اور غریبوں کے درمیاں حسد اور دشمنی کے بجائے محبت اور تعلق اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوگی اور ہر ایک دوسرے کے کام آنے کے لئے تیار ہوگا اور ہزاروں ان فسادات اور بے چینیوں کا علاج ہو جائے گا جنھوں نے آج بڑی بڑی حکومتوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے اور جن سے چھٹکارا سوائے دامنِ اسلام کے کہیں نہیں مل سکتا۔[لے]

(۳) انسان کا ایک مزاج یہ بھی ہے کہ اُسے ہر چیز کی قیمت اس کے چھننے کے بعد معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک کسی چیز کی قیمت کا صحیح اندازہ نہ ہو اُس وقت تک اس کے دینے والے کا شکر بھی کیا ادا کیا جاسکتا ہے۔ روزے کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کو خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق ہوتی ہے، چنانچہ ہم افطار کے وقت کہتے ہیں :۔

وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ — اور اے اللہ! تیرے ہی دئیے ہوئے رزق سے افطار کرتا ہوں۔

(۴) روزہ دار صبح سے شام تک چاہے اپنے کسی بھی کام دھندے میں لگا رہے اس کا ہر ہر منٹ خدا کی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے :۔

لے لیکن فریب خوردہ مسلمان ہر نئی تحریک کی طرف ایسا لپکتے ہیں جیسے ایک کمسن بچہ اپنے بچاسوں رنگ برنگ کے کھیل کھلونے چھوڑ کر دوسرے بچے کے معمولی کھلونے کی طرف ہاتھ بڑھایا کرتا ہے۔

اَلصَّائِمُ فِیْ عِبَادَۃٍ وَاِنْ کَانَ نَائِمًا عَلٰی فِرَاشِہٖ (رواہ الدیلمی عن انس رضی اللہ عنہ)

روزہ دار عبادت میں مشغول (سمجھا جاتا) ہے، چاہے (آرام سے) بستر پر پڑا سو رہا ہو۔

(۵) روزہ انسان کے اندر اللہ کی عبادت اور اس کی یاد کی صلاحیت تو پیدا کرتا ہی ہے، یہ خود بھی ہر وقت اللہ کی یاد ہے کیونکہ جب روزہ دار کو بھوک لگتی ہے اور اس کا نفس کھانے پینے کا تقاضا کرتا ہے تو اس کا دل برابر شام تک یہی کہتا رہتا ہے کہ "نہیں اللہ کی اجازت نہیں ہے"۔ نفس برابر تقاضا کرتا رہتا ہے مگر اس کا دل ہمت و استقلال کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور دل کا اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہی سب عبادتوں کی جان ہے۔

روزے کے دُنیوی فائدے

اوپر کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے کہ روزہ انسان میں عقل و شریعت کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کی صلاحیت و استعداد پیدا کر دیتا ہے اور صبح سے شام تک بھوک و پیاس اور شہوتِ نفسانی کے تقاضوں کو ایک مہینہ تک روزانہ دباتے دباتے اس کو ایک ایسا ملکہ اور ایسی طاقت حاصل ہو جاتی ہے کہ پھر وقت پڑنے پر وہ اپنی ہر خواہش کو روک سکتا اور ہر جذبے کو دبا سکتا ہے اور دنیا میں انسانوں کی ناکامیوں کا ایک بہت بڑا راز یہی ہے کہ وہ بسا اوقات اپنی

۱؎ التیسیر شرح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۰۳ ، اخرج البیہقی بسند ضعیف عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ

نوم الصائم عبادۃ الحدیث ذکرہ علی القاری فی الموضوعات الکبیر ص ۸۶ (مجتبائی طبع ثانی ۱۳۴۶ھ)

خواہشات و مرضیات اور اپنے جذبات پر قابو نہ پاکر ہزاروں قسم کی بلاؤں کا شکار ہو جاتے ہیں جس نے اپنے اوپر قابو پانا سیکھ لیا اُس نے اپنے ہر مقصد میں کامیابی کا بھید پالیا۔

خدا جانے کیوں دیوانے دین و دنیا میں ٹکراؤ سمجھتے ہیں۔ دنیا کی سب سے زیادہ کامیاب زندگی خود دین ہی ہے۔ جنھوں نے یہ راز اب تک نہیں پایا تھا وہ اب پار ہے ہیں اور جنھوں نے ابھی تک اسلامی احکام کے آخروی منافع کے ساتھ ساتھ اُن کی دنیوی قیمت و اہمیت کو نہیں سمجھا ہے وہ انشاء اللہ عنقریب سمجھ لیں گے اور دنیا کی ہر پریشانی کا علاج اُنھیں اسی میں نظر آنے لگے گا اور دنیا کا ایک ایک انسان اسلام کی صداقت و سچائی کو دل سے تسلیم کر لینے پر اپنے کو مجبور پائے گا۔ سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

لَا يَبْقَىٰ عَلَىٰ ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ	تختۂ زمین پر کوئی شہر یا کوئی دیہات ایسا
وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ	نہیں بچے گا جہاں اسلام کی آواز نہ پہنچ جائے
بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَّذُلِّ ذَلِيْلٍ [1]	خواہ کوئی عزت کے ساتھ مان لے یا ذلیل ہو کر مانے۔

اگرچہ علماء کرام نے اسلام کی آواز کے پہنچنے کا مطلب وہی بتایا ہے جو تبلیغ اسلام کا عام طریقہ رہا ہے، لیکن کچھ بعید نہیں کہ دنیا والوں کو خود ان کی مادی ترقی ہی اس منزل پر لا کھڑا کرے کہ اسلامی اصولوں کو صحیح مانے بغیر انھیں کوئی چارہ نظر نہ آئے۔

---

[1] رواہ احمد عن المقداد۔ مشکوٰۃ ص۱۶، والمرقاۃ ج ۱ ص۹۵

چنانچہ آج اسلام کی سینکڑوں باتیں کھل کر سامنے آرہی ہیں اور رسولِ اُمّی کی بہت سی باتیں اب دماغوں میں اُتر رہی ہیں، لیکن مجبور ہو کر ماننا تو کیا ماننا؟ کسی منکرِ خدا سائنسداں یا گمراہ دہریے کی تحقیق سمجھ کر ماننا بھی کوئی ماننا ہے؟ مومن کا کمال تو یہ ہے کہ حضرت محمد (فداہ اَبی واُمّی) صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات کسی غیر کی تائید کا انتظار کئے بغیر دل سے تسلیم کرے[۱]

روزے میں طبّی فائدے بھی اس قدر ہیں کہ بعض ڈاکٹروں کے نزدیک تو صرف اسی کے ذریعے اتنی بیماریوں سے شفا حاصل ہو سکتی ہے کہ کسی اور واحد تدبیر سے ناممکن ہے۔ ڈاکٹر جوئل شو اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے کہ " اس اصول پر تمام ڈاکٹر متفق ہیں کہ کھانا پینا چھوڑ دینا بیماریوں کے دفع کرنے کی ایک خاص تدبیر ہے۔ جب کھانا پینا چھوڑ دیا جاتا ہے تو بدن بذاتِ خود اپنے امراض کو نکال پھینکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وبائی امراض کے زمانے میں وہ لوگ وبائی حملہ سے عموماً محفوظ رہتے ہیں جو اپنے معدے کو خالی رکھتے ہیں، بمقابلہ ان لوگوں کے جو اپنے معدے کو خالی نہیں رکھتے۔"

اس سلسلے میں ڈاکٹر موصوف نے ایک بہت اہم نکتہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: "کھانا پینا چھوڑنے سے ہضم کرنے والی طاقت فارغ ہو کر پوری طرح بدن کی صفائی میں لگ جاتی ہے اور ہر قسم کا زہریلا مادّہ بدن سے نکال کر باہر

---

[۱] إِذَا قَالَ الرَّسُوْلُ فَصَدِّقُوْهُ فَإِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَ الرَّسُوْلُ

(ترجمہ) جب رسولؐ کوئی بات فرمادیں تو بس مان لو کیونکہ بات وہی ہے جو رسولؐ نے کہدی

کردیتی ہے۔"

درحقیقت انسان کا جسم ایک مشین کی طرح ہے جس کا ایک حصہ یعنی معدہ غذا کو ہضم کرکے اس کا عرق نکال کر مشین کے لئے پٹرول یا تیل تیار کرتا ہے، لیکن جب معدے میں کوئی دیر ہضم غذا پہنچ جاتی ہے یا کھانے پینے میں کوئی بے احتیاطی ہو جاتی ہے تو یہ مشین خراب ہو جاتی ہے۔ اب اس مشین کی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے اور جس طرح ہر مشین کا قاعدہ ہے کہ وہ ایک خاص مدت تک کام کرنے کے بعد آرام لیتی ہے اور اس کو بند کرکے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح پیٹ بھی کبھی بہت کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور آرام چاہتا ہے۔ پیٹ اور معدے کو آرام دینے کا سب سے آسان اور بہتر طریقہ روزہ ہے۔ روزہ رکھنے سے معدے کو آرام ملے گا اور جس طرح آرام کرنے کے بعد جسم کے دوسرے حصوں کو پھر سے ایک نئی طاقت، چستی اور توانائی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ ٹھیک ٹھیک کام کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح معدہ بھی آرام لینے کے بعد ٹھیک کام کرنے لگے گا اور جسم کی مشین کے لئے بہتر سے بہتر تیل تیار کرے گا۔

روزے کا صحت اور شفا کے لئے مفید ہونا اس قدرتی اصول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے تو اس کا جی کھانے پینے کو نہیں چاہتا۔ گویا خود طبیعت یہ سکھاتی ہے کہ اب کھانا چھوڑ دو اور جہاں ایک دو وقت کھانے میں ذرا احتیاط کی اور فاقہ کیا طبیعت سنبھل گئی۔

قدرت نے جانوروں، چوپایوں کو اپنی سینکڑوں بیماریوں کے علاج کے لئے یہی طریقہ سکھا رکھا ہے۔ جب ان کو کوئی مرض ہوتا ہے تو گھاس دانہ چھوڑ دیتے ہیں

اور جب تک ٹھیک نہ ہو جائیں نہیں کھاتے، بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جانوروں کی بہت سی چھپی ہوئی بیماریوں کا پتہ ہی مالکوں کو ان کے نہ کھانے سے چلتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بیماریوں کا ایک بہترین فطری اور قدرتی علاج کھانا پینا چھوڑ دینا بھی ہے۔

آگے نفلی روزوں کی ترتیب[1] سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ شریعت نے فطرت کے اس قیمتی اصول کو کس سلیقہ سے جاری کیا ہے اور کس طرح تھوڑے تھوڑے وقفے دے کر پیٹ کی مشین کو آرام دینا چاہا ہے۔ کاش اگر ہم اپنے دین کی صحیح قیمت پہچانتے اور قدر کرتے تو آج ہمیں دنیا کے اندھے انسانوں کا مقلد اور پچھلگو نہ بننا پڑتا۔ لطف تو یہ ہے کہ ہمیں ان کے پیچھے چلنے پر اللہ تعالیٰ قدم قدم پر ٹھوکریں کھلا کر سبق بھی دینا چاہتا ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ اندھا دھند بھاگے چلے جا رہے ہیں اور پیچھے مڑ کر یہ بھی نہیں دیکھتے کہ جو چیز ہم پیچھے چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں ہمارے ان آقاؤں کی نظر میں اس کا کیا درجہ اور کیا مقام ہے اور ان کے بڑے بڑے عقلمند لوگ اس کے اصولوں کو کتنا بلند اور اہم سمجھتے ہیں۔

اس وقت یہ موقع نہیں ورنہ یہ لکھا جاتا کہ اسلام کے ایک ایک اصول کو جب مادی نقطۂ نظر سے جانچا گیا تو آخرت کے نہیں خود دنیا کے کتنے بڑے بڑے فائدے معلوم ہوئے۔ اور اگر اسی طرح شریعت کی تمام باتوں میں غور کیا جائے تو یہ بات صاف نظر آجائے گی اور بلکہ آنے بھی لگی ہے کہ آج بھی تمام دنیا کے انسانوں کے لئے زندگی گزارنے کا اگر کوئی سب سے زیادہ سلامتی اور چین کا طریقہ ہے تو وہ

---

[1] مثلاً مہینے میں تین روزے اسی طرح پیر و جمعرات کا روزہ۔

صرف وہی ہے جو آج سے چودہ سو برس پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو دیا تھا اور اس طریقے کی جتنی ضرورت اُس وقت تھی، بالکل اتنی ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ آج ہے اور اُس وقت کے مسائلِ زندگی کے لئے جس طرح یہ طریقہ کافی تھا بغیر کسی تبدیلی اور ایک حرف کی کمی بیشی کے آج بھی اور آج کے بعد بھی کافی اور بالکل کافی ہے۔

آج کل ڈاکٹروں کی تحقیقات نے روزے کو بہت اہمیت دیدی ہے۔ امریکہ کا ایک مشہور ماہر ڈاکٹر بیپلز اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے "بہت سی بیماریاں ایسی ہیں جن کا علاج صرف فاقہ ہے۔" ڈاکٹر موصوف نے اپنے کئی مشاہدات لکھے ہیں کہ صرف فاقے سے بڑے بڑے پیچیدہ امراض میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ بعض ڈاکٹر تو فاقے کے ایسے معتقد ہوگئے ہیں کہ ان کے نزدیک لاعلاج امراض کا اگر کوئی علاج ہے تو صرف فاقہ ہے۔ بہت سے لاعلاج امراض میں فاقہ نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔

خون کے متعلق تجربہ کرنے والوں کا بیان ہے کہ فاقہ کرانے سے خون کے سُرخ ذرات میں اضافہ ہوا، ایک بار مشاہدہ کیا گیا کہ خون کے خلیات (CELLS) کی تعداد ۱۵ لاکھ سے بڑھ کر ۳۲ لاکھ تک پہنچ گئی۔

فاقے سے چونکہ اعضاء پر سے ایک بڑا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور ان کو اتنی مہلت ملتی ہے کہ دورانِ خون میں مدد دے سکیں اس لئے قلب کو موقع ملتا ہے کہ اپنی حالت کو سنبھال لے اور اپنا طبعی فعل دُرست کرلے۔ اسی وجہ سے عموماً فاقہ سے دل کی بے قاعدگی کی اچھی طرح اصلاح ہو جاتی ہے اور خون کی گردش بھی درست ہو جاتی

ہے۔ اسی طرح معدے اور آنتوں پر بھی اس کا بہت مفید اثر پڑتا ہے۔
جگر اور گُردوں پر اگرچہ فاقے کے شروع میں تھوڑا سا بار بھی پڑتا ہے لیکن اس سے بدن میں صفائی کا جو عمل ہوتا ہے اس کی وجہ سے جگر اور گردوں کو خاص طور پر فائدہ پہنچتا ہے۔
بدہضمی، اپھارہ اور معدے کی ہر بدنظمی کے لئے فاقہ نہایت مفید عمل ہے۔ جگر کا پھوڑا پوری طرح اور مستقل طور پر فاقے سے اچھا ہو جاتا ہے۔ پھیپھڑے چونکہ براہِ راست خون کو صاف کرتے ہیں اس لئے ان پر بھی روزے کے فوائد کا اثر پڑتا ہے۔ اگر پھیپھڑے میں خون جم گیا ہو تو تیزی کے ساتھ یہ شکایت ختم ہو جاتی ہے۔ حلق بھی خوب صاف ہو جاتا ہے اور آواز سُریلی، تیز اور بلند ہو جاتی ہے۔ قرأت اور شعر گوئی وغیرہ میں خوش الحانی پیدا ہو جاتی ہے اور خون کی صفائی اور پھیپھڑوں کی درستی کی وجہ سے تمام جسم میں صحت کی لہر دوڑ جاتی ہے اور رنگ میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔
غرضیکہ روزہ عام جسمانی صحت و قوت کے لئے ایک نہایت مفید عمل ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے آقا و مولا سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اُغْزُوْا تَغْنَمُوْا وَصُوْمُوْا تَصِحُّوْا وَسَافِرُوْا تَسْتَغْنُوْا (رواہ الطبرانی فی الاوسط قال الھیثمی والمنذری رجالہ ثقات)[1]

راہِ خدا میں جنگ کرو غنیمت کا مال حاصل ہوگا اور روزے رکھا کرو تندرست ہو جاؤ گے اور (کمائی کے لئے) سفر کیا کرو مالدار ہو جاؤ گے

---

[1] مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۹، ترغیب ج ۲ ص ۸۳ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

لیکن خیال رہے کہ اگر کسی مرض میں بطور علاج کے روزہ رکھنا ہو تو کسی ماہر حکیم یا ڈاکٹر سے ضرور مشورہ کر لینا چاہیئے۔ ایک ہی طرح کا علاج ہر طبیعت کے لئے یکساں مفید نہیں ہوا کرتا۔

روزے کا ایک دنیوی فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسان کو تنگی ترشی جھیلنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ دُکھ بیماری میں، سفر وغیرہ میں اگر کبھی کھانے میں دیر سویر ہو جائے تو روزے کا عادتمند انسان کبھی بے تاب نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جب اُنھیں بھُوک لگتی ہے تو بس اُن سے بات کرنا مصیبت ہوتا ہے کسی سے لڑیں گے، کسی کو بُرا بھلا کہیں گے۔ غرض اُن کو اپنے پر قابو نہیں رہتا، اگر روزے کی عادت ہو تو کبھی یہ حالت نہ بنے۔

لیکن ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر ان تمام دنیوی فائدوں کی وجہ سے روزہ رکھا اور نیت خدائے پاک کا حکم پورا کرنے اور اسے راضی کرنے کی نہ ہوئی تو خدا کے یہاں اس روزے کی کوئی وقعت نہیں۔ یہ عبادت صرف اسی وجہ سے ہے کہ اللہ کے لئے ہے۔ اسی کی مرضی پر، اسی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے۔ اللہ کے نزدیک روزہ وہی ہے جو صرف ایمان کے تقاضے کی وجہ سے اور اللہ کو خوش کرنے کے لئے رکھا جائے۔ اس لئے نیت صرف خدا کو راضی کرنے کی ہونی چاہیئے۔ خدائے پاک قرآن کریم میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ "اصل عبادت یہ نہیں کہ تم مشرق کی طرف رُخ کرو یا مغرب کی طرف بلکہ اصل عبادت اللہ پر ایمان لانا اور اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔" [۵]

---

[۵] سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷

روزے کی حفاظت

ہر چیز اپنا صحیح اثر اسی وقت دکھاتی ہے جبکہ اس کو نقصان دینے والی اور اُس کے اثر کو ختم کرنے والی چیزوں سے محفوظ رکھا جائے۔ اگر اس کو محفوظ نہ رکھا گیا تو اس کا پورا فائدہ حاصل نہ ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ وہ چیز آہستہ آہستہ ختم ہی ہو جائے۔

روزہ ایک بہت اہم اور قیمتی اور اپنے اندر بے شمار فائدے رکھنے والا عمل ہے لیکن اگر اس کی حفاظت نہ کی جائے اور اس روحانی دوا کے ساتھ بتایا ہوا پرہیز نہ کیا جائے تو یہ کمزور بلکہ بے جان ہو جاتا ہے اور جو فائدے اس سے حاصل ہونے چاہئیں نہیں ہوتے۔

جس شخص نے روزے کی نیت سے صبح سے شام تک کھانا، پینا اور بیوی سے خواہش پوری کرنا چھوڑ دیا اس کا روزہ تو ہو گیا لیکن اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا جھوٹ غیبت، چغلخوری دھوکہ بازی وغیرہ سے بچنا بھی ضروری ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ (بخاری، مسلم عن ابی ہریرۃؓ)[1]	جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو وہ کوئی بیہودہ حرکت اور بیہودہ بات نہ کرے اور نہ غصے میں زور سے بولے اور اگر کوئی دوسرا اس کو گالی گلوچ کرنے لگے اور لڑنا چاہے تو اس کہدے کہ میں روزے سے ہوں۔

---

[1] ترغیب ج ۲ صفحہ ۹۱ ؛ صفحہ ۱۴۷

تشریح :۔ مطلب یہ ہے کہ روزے کی حالت میں ہر غیر شریفانہ حرکت سے بچنا چاہیئے لیکن تمہارے بچنے کے باوجود اگر کوئی دوسرا چھیڑ اٹھائے تم سے اُلجھے تب بھی تم بات کو ختم کردو اور اُس سے کہہ دو کہ بھائی میں روزے سے ہوں اور اگر اس پر بھی وہ نہ ماننے یا ملنے کی اُمید نہ ہو تو اپنے دل کو سمجھالو کہ میرا روزہ ہے اس قسم کی حرکتوں میں مجھے نہیں لگنا چاہیئے۔

یاد رکھو کہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ جب تم کہو گے میرا تو روزہ ہے تو دوسرا طیش میں آکر کہے گا " تو کیا ہم مسلمان نہیں ؟ ہمارا روزہ نہیں ہے ؟ " اس لئے خیال رکھو کہ حدیث کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ بات کسی بھی طرح ہو ختم ہونی چاہیئے۔

مُفت کا فاقہ

پیچھے آچکا ہے کہ روزے کا ایک بڑا فائدہ اور حکمت یہ ہے کہ اُس کے ذریعے نفس پر کنٹرول حاصل کرکے عقل و شریعت کے تقاضے پورے کرنا آسان ہوجاتا ہے اور انسان کے اندر ایک اعتدال و سنجیدگی ایک شرافت و انسانیت پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر ایک شخص نے صرف کھانا پینا تو چھوڑ دیا اور باقی تمام بیہودگیاں جاری رکھیں تو ظاہر ہے کہ وہ شخص نفس پر کنٹرول نہیں کرسکا۔ مفت میں بھوکا پیاسا پریشان ہے چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :۔

(۱) مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ	جو شخص (روزہ رکھے اور) بے کار باتیں اور بیہودہ حرکتیں نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے

طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ (رواہ البخاری والترمذی | کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی پرواہ نہیں۔
وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ) [1]

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص روزے کے تقاضے کو پورا نہ کرے تو اس کو اجر و ثواب اور روزے کے فائدے حاصل نہ ہوں گے اور گو ایسا روزہ قانونی درجے میں نام کو پورا ہو جائے لیکن اللہ کے نزدیک اس قسم کے روزے کا کوئی وزن نہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جو کام، کھانا پینا وغیرہ روزے کی نیت کرنے سے پہلے حلال تھے اُن سے بھی روک دیا گیا تو جو کام اور جو باتیں پہلے ہی سے حرام و ناجائز ہیں ان کی بُرائی کس قدر بڑھ گئی ہوگی، لیکن کتنے لوگ ہیں کہ صرف کھانے پینے اور جماع سے رُکنے کے علاوہ باقی کسی بُرائی سے نہیں رُکتے، اگرچہ ان بدنصیبوں سے نو ہزار درجے یہی لوگ بہتر ہیں جو رمضان میں بھی چوپایوں کی طرح کھاتے پیتے رہتے ہیں، لیکن وہ نور، وہ برکت، وہ رحمت جو روزہ دار کے لئے رکھی گئی ہے اس سے بہرحال محرومی رہتی ہے۔ کھانے پینے سے روزہ رکھنے اور ناجائز کاموں میں لگے رہنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیمار پھلوں اور میووں سے تو پرہیز کرے اور زہر کھالے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمْ مِنْ صَائِمٍ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنھیں سوائے بھوک پیاس

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۷۶، ترغیب ج ۲ ص ۱۳۶، عینی شرح البخاری ج ۵ ص ۱۸۶

لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ (رواہ النسائی وابن ماجۃ والدارمی وابن خزیمۃ فی صحیحہ والحاکم وصححہ)[1]

کے کچھ نہیں ملتا اور راتوں کو جاگنے اور عبادتیں کرنے والے کتنے ہی ایسے ہیں جنھیں جاگنے کی پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

تشریح: مطلب صاف ہے کہ جب تک روزے کے ساتھ تمام غلط کام نہ چھوڑے جائیں اور راتوں کو تہجد میں جب تک دل کی توجہ اور اخلاص کے ساتھ عبادت نہ ہو تو روزہ بھی بے جان ہے اور راتوں کا جاگنا اور تہجد بھی۔

روزے میں چونکہ کھانے پینے کی قسم کے بہت سے کام کم ہوجاتے ہیں اِس لئے بہت سے لوگ وقت کاٹنے کے لئے تاش بازی اور ناول وغیرہ کی مشغولی اختیار کرتے ہیں اور کبھی دو چار جمع ہوگئے تو غیبت بہتان اور اِدھر اُدھر کے جھوٹ سچ بھی شروع ہوجاتے ہیں۔ یہ باتیں بظاہر معمولی نظر آتی ہیں لیکن درحقیقت سخت نقصان دہ ہیں۔ روزہ کا نور و برکت تو ختم ہوگا ہی اور بہت سا گناہ بھی سر پہ آجائے گا۔ اس قسم کے کاموں میں لگنا وقت کا گزارنا نہیں اُسے برباد کرنا ہے۔ اس کے بجائے اگر کسی معتبر عالم دین کے مشورے سے دینی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو وقت بھی کٹے اور بہت بڑا دینی فائدہ بھی ہو۔

آنکھ، کان کا روزہ

روزہ میں جس طرح منھ اور حلق کے کام پر پابندی لگ جاتی ہے اسی طرح

[1] مشکوٰۃ ص ۱۷۷، ترغیب ج ۲ ص ۱۴۸

جسم کے ہر ہر حصّے پر کچھ نہ کچھ پابندیاں لگ جاتی ہیں اور جسم کے تمام حصّوں کا اپنا اپنا الگ روزہ ہوتا ہے۔ آنکھ کا روزہ یہ ہے کہ وہ بدنظری سے بچے۔ اجنبی عورتوں اور خوبصورت لڑکوں کو نہ دیکھے۔ زبان کا روزہ یہ ہے کہ کسی کو گالی نہ دے، غیبت نہ کرے، بُرا بھلا نہ کہے اور اپنی کسی بات سے بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچنے دے۔ ہاتھ کا روزہ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے، کسی کی چیز نہ چھوئے اور کوئی ناجائز کام نہ کرے۔ پیر کا روزہ یہ ہے کہ غلط جگہ نہ جائے۔ کان کا روزہ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ سُنے، کسی کی چھپی ہوئی بات نہ سُنے۔ نامحرم کی آواز گانے باجے کی آواز نہ سُنے۔ غرضیکہ جسم کے تمام اعضاء پر شریعت کی لگائی ہوئی پابندیوں کا خیال رکھنا پورے جسم کا روزہ ہے اور درحقیقت یہی وہ روزہ ہے جو تمام گناہ بخشواتا ہے، خدا کا محبوب بناتا ہے، جہنّم سے نجات دلاتا ہے اور دنیا و آخرت کی ہر کامیابی کا مستحق بنا دیتا ہے۔

روزہ دار کی دُعا

سب لوگ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر جگہ اسی کی قدر ہے جو کچھ کرتا دھرتا ہو۔ نکمّے، کام چور اور اپاہج لوگ ہر ایک کو بُرے لگتے ہیں۔ خود اپنی اولاد جب کچھ کرنے لائق ہو جائے اور کچھ نہ کرے تو بُری لگنے لگتی ہے۔ یہ قاعدہ دنیا والوں کا تو ہے ہی خود خدا تعالیٰ کے یہاں بھی یہی قاعدہ ہے کہ کام کرنے والے اُسے بہت پسند ہیں۔ جب وہ اپنے بندوں کو نیک کام میں لگا ہوا دیکھتا ہے تو بہت خوش ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ بڑے لوگ جب خوشی میں ہوتے ہیں اُس وقت جو بھی کوئی اپنی مُراد مانگتا ہے پوری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ سنار کے

بعد ختم قرآن مجید کے بعد دینی مجلسوں کے ختم پر دُعائیں کی جاتی ہیں اور بہت سی حدیثوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک عمل کے بعد دعا خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔

اب ذرا تم غور کرو کہ نماز پڑھنے میں اتنی زیادہ محنت مشقت نہیں جتنی روزے میں ہے۔ پھر بھی نمازوں کے بعد دُعائیں قبول ہوتی ہیں تو روزے میں تو محنت بھی نماز سے زیادہ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِی قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنَّ لِلّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عُتَقَاءَ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ یَعْنِیْ فِیْ رَمَضَانَ وَاِنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ دَعْوَةً مُسْتَجَابَةً (رواہ البزار)[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان مبارک کی ہر رات اور ہر دن میں اللہ کی طرف سے بہت سے قیدی آزاد کئے جاتے ہیں اور رمضان کی ہر رات اور ہر دن میں ہر ایک مسلمان کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح رمضان کے دن روزوں کی وجہ سے قیمتی ہیں راتیں بھی بڑی قیمتی اور بابرکت ہیں اور دونوں میں دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ کیسی کم نصیبی کی بات ہے کہ دینے والا خود کہے کہ مانگو اور محتاج انسان جسے ہر وقت کوئی نہ کوئی حاجت پیش آتی رہتی ہے مانگنے سے غافل ہے۔

---

[1] ترغیب ج۲ ص۱۰۳، عینی شرح بخاری ج۵ ص۱۸۱ قال وفیہ ابان بن عیاش ضعیف۔

ایک دوسری حدیث میں افطار کے وقت خاص طور پر دعاء کی قبولیت بتائی گئی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِہٖ لَدَعْوَۃً مَا تُرَدُّ (رواہ ابن ماجۃ)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزہ دار کو افطار کے وقت ایک ایسی دعاء دی گئی ہے جو کبھی خالی نہیں جاتی۔

تشریح:۔ افطار کا وقت چونکہ روزے کا آخری وقت ہوتا ہے اور ہر محنت کا بدلہ اور اس کی مزدوری آخر ہی میں ملا کرتی ہے اس لئے یہ وقت بہت ہی قدر کرنے کے لائق ہے لیکن ہم لوگ افطاری کی تیاری میں ایسے مشغول ومنہمک ہوتے ہیں کہ یہ انتہائی قیمتی موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ افطاری کی تیاری وغیرہ عصر سے پہلے پہلے پوری کر لیا کریں اور عصر سے مغرب تک کا وقت توجہ کے ساتھ ذکر و دعاء میں لگا دیا کریں اور اگر کبھی خیال آجائے تو اس گنہگار کو بھی اپنی دعاؤں میں شریک کر لیا کریں

دعاء کے متعلق چند ضروری اور کام کی باتیں

بعض نادان لوگ دعاء کو کوئی اہم چیز نہیں سمجھتے۔ درحقیقت یہ بڑی محرومی اور دین سے بے خبری کی بات ہے۔ دعاء کے اندر خدائے پاک نے وہ طاقت رکھی ہے جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں۔ تقدیروں کا پلٹا دینا صرف دعاء ہی کا کام ہے لیکن ہماری ایک نادانی تو یہ ہے کہ دعاء کی

[1] ابن ماجہ ص۱۲۶

طرف توجہ کم کرتے ہیں اور جو لوگ دعائیں کرتے بھی ہیں وہ اس کے اصول و طریقے پر نہیں کرتے اور پھر جلدی ہی اکتا بھی جاتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی کوئی چیز بھی اس وقت تک اثر نہیں دکھاتی جب تک کہ اس کو اس کے طریقے پر نہ کیا جائے اور جم کر نہ کیا جائے۔

دعا کے بھی کچھ اصول و آداب ہیں۔ سب سے پہلی بات تو حلال روزی ہے جس پیٹ میں حرام روزی ہو اُس کا تو زمین پر زندہ و سلامت رہنا ہی خدا کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس پر تو خدا کا کوئی قہر و غضب نازل نہ ہونا ہی سب کچھ ہے۔ دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ روزی اور لباس حلال ہو، دل میں قبولیت کا پورا یقین ہو۔ اگر کبھی ملنے میں دیر لگے تو مایوس اور نا امید ہو کر چھوڑ نہ دے۔ دعا ضرور کرتے رہنا چاہیئے۔ قبولیت خدا کا کام ہے۔ وہ بہت کم دعائیں واپس کرتا ہے۔ اکثر دعائیں سنی جاتی ہیں لیکن ضروری نہیں کہ جیسے ہماری مرضی ہو خدا بھی ویسے ہی کر دے۔ خدا کے یہاں ہر کام کے لئے موقع اور وقت دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح مانگنے والے کا نفع و نقصان بھی دیکھا جاتا ہے۔ انسان کی آنکھوں پر اس کے نفع و نقصان کی بہت سی باتوں سے پردہ پڑا ہوا ہے اُسے خبر نہیں ہوتی کہ میں جو کچھ مانگ رہا ہوں وہ میرے حق میں اچھا ہے یا بُرا۔ خدائے تعالےٰ کو ہر بات معلوم ہے اس لئے وہ بندے کی مانگ پوری کرنے سے پہلے دیکھتا ہے کہ یہ چیز بندے کے لئے مفید بھی ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر آپ کے بچے نے ایک دہکتا ہوا سُرخ انگارا دیکھا اور مچل گیا کہ "میں تو ہاتھ میں لوں گا"، آپ نے انگارا چھپا دیا۔ بچہ خوب چیخا چلّایا مگر آپ نے ایک نہ سُنی، تو

کیا آپ نے بچے پر یہ ظلم کیا ہے ؟ یہی حال بسا اوقات بندے کے مچلنے اور اللہ تعالیٰ کے پیار کرنے کا ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی خدائے پاک بندے سے اقرار بھی کرا لیتا ہے کہ ہاں میری دعا قبول نہ ہوئی بہت ہی اچھا ہوا۔ اس کو اس مثال سے سمجھو کہ تم نے دعا کی کہ ہمارے بھائی جو مدراس میں رہتے ہیں آج گیارہ بجے والی گاڑی سے یہاں پہنچ جائیں اور خوب توجہ اور یقین کے ساتھ دعا کی لیکن عصر تک آپ کے بھائی جان نہ آئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ خبر آئی کہ مدراس سے یہاں گیارہ بجے پہنچنے والی فلاں گاڑی ایک دوسری گاڑی سے ٹکرا گئی ہے۔ بیس آدمی ہلاک اور پچاس زخمی ہو گئے۔ اب آپ بتائیے کہ اس دعا کے قبول نہ ہونے پر آپ کتنے خوش ہوں گے ؟

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندے پر کوئی بڑی مصیبت آنے والی ہوتی ہے اور یہ دعا کرتا ہے کہ مجھے فلاں چیز حاصل ہو جائے یا فلاں مراد پوری ہو جائے۔ اب یہ دعا قبول ہو کر اوپر جاتی ہے۔

وَاِنَّ الْبَلَاءَ لَيَنْزِلُ فَيَلْقَاهُ الدُّعَاءُ فَيَعْتَلِجَانِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

(رواہ البزار والطبرانی والحاکم عن عائشۃ و قال صحیح الاسناد)[1]

اور اُدھر سے کوئی مصیبت اُتر رہی ہوتی ہے۔ دعا کی اس سے مڈ بھیڑ ہو جاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جاتی ہیں اور قیامت تک یہی کشتی چلتی رہتی ہے۔

---

[1] ترغیب ج ۲ ص ۴۸۲

اِدھر بندہ یہ سمجھتا رہتا ہے کہ دعا قبول نہیں ہوئی اور اُدھر دُعا وہ کام کر رہی ہے کہ جو کسی اور صورت سے ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندے کی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آجاتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ اگر اس کی مراد جُوں کی تُوں دیدی گئی تو کوئی بڑا فائدہ نہیں اس لئے وہ اس دعا کو اس وقت کے لئے رکھ دیتا ہے جبکہ بندہ اپنے مولیٰ سے ملاقات کرے گا۔ اس طرح وہ دعا آخرت کے لئے اُٹھا کر رکھ دی جاتی ہے[1] بندہ انتظار کرتا ہے کہ اس دعا کا کوئی اثر ظاہر ہو حالانکہ وہ بہت بہتر موقع کے لئے رکھ دی گئی ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ بندہ جب اپنی دعاؤں کے انعامات آخرت میں دیکھے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش میری کوئی دعا بھی دنیا میں پوری نہ ہوئی ہوتی۔[2]

کبھی بندے کی دعا اُس کے پچھلے گناہ معاف کرانے کے لئے بھی استعمال ہو جاتی ہے اور دنیا میں اس کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا۔[3]

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعا قبول بھی ہو جاتی ہے اور دنیا ہی میں ظاہر بھی

---

[1] حدیث۔ ان العبد لا یخطئہ من الدعاء احدی ثلاث اما ذنب یغفرلہ واما خیر یعجل لہ واما خیر یدخر لہ۔ رواہ الدیلمی عن انس وعند احمد والبخاری فی الادب والحاکم من حدیث ابی سعید نحوہ وفیہ واما ان یدفع عنہ من السوء مثلہا۔ تخریج العراقی علی الاحیاء۔ ج ۱ ص ۲۷۲

[2] رواہ الحاکم عن جابر کما فی الترغیب ج ۲ ص ۴۷۹

[3] ابھی ایک حاشیہ قبل حدیث آچکی ہے۔

بھی ہوتی ہے مگر کچھ دیر بعد ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ملنے کی تمنا کی تھی مگر کتنے سالوں کے بعد پوری ہوئی۔

لہٰذا بندے کو دعا کبھی نہ چھوڑنی چاہیئے۔ خدا کے یہاں کمی تو کسی چیز کی ہے نہیں بس دیر ہے تو ہمارے ہی کسی فائدے اور مصلحت کی وجہ سے ہے۔ اور پھر ذرا یہ بھی سوچو کہ جب ملنا وہیں سے ہے تو وہ آج دیں تب وہاں سے لینا اور مہینہ بھر بعد دیں تب، بعض دفعہ یہ بھی تو دیکھا جاتا ہے کہ بھلا مانگنے والا کتنے پانی میں ہے، دوسروں کی دیکھا دیکھی یہ بھی مانگنے بیٹھ گیا ہے یا مجھ سے ملنے کا واقعی یقین ہے۔ بس اگر واقعی یہ یقین ہے کہ مراد پوری صرف اسی ایک بارگاہ سے ہوسکتی ہے تو چاہے زندگی بھر کچھ نہ ملے یہ ٹلے گا نہیں ؎

اُدھر تُو در نہ کھولے گا' اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں تیری کہیں میری

اور ایک بڑی بات یہ بھی ہے کہ دعا، چونکہ خود عبادت بلکہ عبادات کا مغز[1] اور نچوڑ ہے اس لئے ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں۔

اب یہاں دعا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات نقل کئے جاتے ہیں:۔

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے سے نہ مانگنے

---

[1] عن النعمان بن بشیر الدعاء ھو العبادۃ ومن انس الدعاء مخ العبادۃ مشکوۃ ص۱۹۴

مَنْ لَمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ (رواہ الترمذی)

والے پر ناراض ہوتا ہے۔"

(۲) وعنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "جو شخص یہ چاہے کہ تنگی اور پریشانی میں بری دعا قبول ہوا کرے اسے آسانی کے زمانے میں خوب دُعائیں کرنی چاہئیں۔"

(۳) وعنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا، قبولیت کے یقین کے ساتھ کیا کرو اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ غافل اور بے توجہ دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔

(۴) وعن سلمان قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا (رواہ ابوداؤد والترمذی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)[۱]

حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا پروردگار بہت حیا دار اور کریم ہے۔ جب بندہ اس کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو ان ہاتھوں کو خالی پھیرتے اُسے شرم آتی ہے۔

نیت کسے کہتے ہیں؟

روزے کے لئے نیت کرنا ضروری ہے۔ نیت صرف دل کے ارادے کا نام ہے۔

---

[۱] الاحادیث الاربعۃ من المشکوٰۃ ص۱۹۵

آپ نے جب مسجد جانے، بازار جانے یا گھر جانے کا ارادہ کیا تو یہ وہاں جانے کی نیت ہوگئی۔ روزہ بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کبھی اتفاق سے صبح صادق سے سورج چھپنے تک کچھ کھانے پینے اور صحبت کرنے کی نوبت نہ آئی لیکن نیت روزے کی نہ تھی تو روزہ نہیں ہوگا۔

زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں لیکن اگر کہہ لے تو اچھا ہے نہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ عربی میں رمضان کے روزے کی نیت کے الفاظ یہ ہیں۔

بِصَوْمِ غَدٍ نَوَیْتُ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ — میں رمضان کے کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں۔

نیّت کا وقت

رمضان شریف اور منت کے وہ روزے جو دن تاریخ مقرر کرکے بول رکھے ہوں، (جسے عربی میں نذرِ مُعیّن کہتے ہیں) اور سنت اور نفل روزوں کی نیت رات سے کرے یا صبح آدھے دن سے پہلے پہلے کرلے اور اگر آدھا دن یا اس سے زیادہ گزر گیا تو اب نیت کرنا بیکار ہے۔

اور قضاءِ رمضان، کفارہ، اور اس منت کا روزہ جس میں کوئی دن تاریخ مقرر نہ کیا ہو (جسے عربی میں نذرِ غیر مُعیّن کہتے ہیں) ان سب روزوں کی نیت صبح صادق سے پہلے کرلینا ضروری ہے۔

دن کب سے کب تک ہوتا ہے؟

شرعی دن صبح صادق سے سورج چھپنے تک ہوتا ہے۔ مثلاً صبح صادق اگر چار بجے ہوا اور غروب چھ بجے تو شرعی دن چودہ گھنٹے کا ہوا اور گیارہ بجے آدھا دن ہوگیا۔ تو جن دنوں میں صبح صادق اور سورج چھپنے کا یہ وقت ہوگا ان دنوں میں گیارہ بجے سے پہلے نیت کرلینا ضروری ہوگا۔

نیّت کا طریقہ رمضان شریف اور نذرِ مُعیّن اور سنت اور نفل روزوں میں صرف روزے کا ارادہ کر لینا کافی ہے۔ چاہے خاص اِن روزوں کا ارادہ اور نیت کرلے یا صرف یہ نیت کرلے کہ روزہ رکھتا ہوں یا نفل روزہ رکھتا ہوں

اگر رمضان شریف کے اندر یا نذرِ مُعیّن کے دن نفلی روزے کی نیت کرلی تب بھی نفلی نہیں بلکہ رمضان میں رمضان کا اور مَنّت کے دن مَنّت کا ہی روزہ ہوگا اور باقی دنوں میں سُنّت یا نفل روزہ ہو جائے گا۔

اور قضاء رمضان اور کفّارہ اور نذرِ غیر معیّن کے روزوں کی نیت میں خاص ان روزوں کی نیت کرنا ضروری ہے کہ کل میں فلاں روزہ رکھوں گا۔

ایک غلط فہمی بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ پچھلے کو جب سحری کھالی اور روزے کی نیت کرلی تو اب کچھ کھانا پینا جائز نہیں۔ یہ خیال غلط ہے جب تک صبح صادق نہ ہو کھانا پینا جائز ہے۔ چاہے نیت کرلی ہو یا ابھی نہ کی ہو۔

سحری

خدا کی دین کا بھلا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کے یہاں ہر چیز کے بے پناہ خزانے ہیں اور وہ خود نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ یہ سب کا سب بندوں ہی کے لئے ہے۔ ذرا ذرا سے بہانے تلاش کر کر کے اپنے بندوں پر لٹاتا رہتا ہے۔

سحری کھانا آدمی کی خود اپنی غرض ہے لیکن چونکہ سحری روزہ رکھنے کے لئے کھائی جاتی ہے اس لئے اس میں اجر و ثواب بھی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ

روایت کرتے ہیں کہ :-

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَۃً (رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ)[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے

آپؐ نے دعا مانگی ہے۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ سُحُوْرِھَا[2]	اے اللہ میری اُمت کی سحری میں برکت دے۔

اور بھی بہت سی حدیثوں میں سحری کھانے کی ترغیب آئی ہے۔ علّامہ عینی نے شرح بخاری میں سترہ صحابۂ کرام سے سحری کھانے کی حدیثیں نقل کی ہیں[3] اور تمام علماء کے نزدیک اس کا مستحب ہونا لکھا ہے، لہٰذا سستی ولاپرواہی کی وجہ سے اس کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ ایک حدیث میں ہے :-

"سحری کھایا کرو چاہے ایک گھونٹ پانی یا ایک کھجور یا چند کشمش کے دانے ہی سہی"[4]

اوپر کی حدیث میں جو برکت کا ذکر آیا ہے علماء نے اس کے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔

(۱) سحری کھانے سے دن بھر کے لئے طاقت حاصل ہوجاتی ہے[5]

---

[1] عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۲۱۶، نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۷، ترغیب ج ۲ ص ۱۳۴

[2] طبرانی عن ابی امامۃ۔ عینی   [3] عینی ج ۵ ص ۲۱۵

[4] طبرانی عن ابی امامۃ۔ حوالہ سابق   [5] شرح مواہب ج ۸ ص ۱۱۳

(۲) قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ برکت کی صورت یہ بھی ہے کہ جب آدمی سحری کے لئے اُٹھتا ہے تو ذکر و دعا اور تہجد وغیرہ کی بھی توفیق ہو جاتی ہے ورنہ شاید صرف تہجد کے لئے اُٹھنا ہر ایک کے لئے آسان نہ ہوتا۔

(۳) سحری میں اُٹھ کر روزے کی تازہ نیت بھی ہو جاتی ہے۔

(۴) سنت ہونے کی وجہ سے دنیا و آخرت دونوں کے فائدے تو اس میں ہیں ہی۔ میرے خیال میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے جو انسان گرا گرا رہتا ہے اور کمزوری کی وجہ سے جو بعض لوگوں میں ایک قسم کا چڑچڑاپن، تیزی اور غصہ پیدا ہو جاتا ہے اس سے بھی حفاظت ہوتی ہے اور سب سے بڑی برکت اور عظیم فائدہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو یہ عمل پسند ہے۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ سحری کھاتے وقت سنت کی نیت ہونی چاہئے اور اتنا زیادہ نہ کھالیا جائے کہ دن بھر کھٹی ڈکاریں آتی رہیں۔ سحری کے بعد اکثر سستی آجاتی ہے اور لوگ لیٹ جاتے ہیں اس لئے فجر کی نماز خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ یہ بڑے نقصان کی بات ہے۔ فجر کی نماز با جماعت اہتمام سے ادا کی جائے۔ رمضان کے مہینے میں اگر فجر کی نماز اول وقت میں رکھ لی جائے تو سب لوگوں کو آسانی ہوتی ہے۔ اِدھر سحری سے فارغ ہوئے اُدھر نماز پڑھ لی۔ پھر جس کا جی چاہے آرام کرے اور جو چاہے اپنے کسی کام دھندے میں لگ جائے۔

سحری کا وقت

تراویح کے بعد سے بلکہ شام ہی سے صبح تک جب بھی کچھ کھا پی لیا جائے

سحری ہو جاتی ہے لیکن سحری کا اصل وقت اور اس کا ثواب رات کے آخیر حصے میں کھانے میں ہے۔ جتنی دیر ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ حدیث میں دیر سے ہی سحری کھانے کا حکم ہے لیکن دیر اتنی بھی نہ ہو کہ صبح ہو جائے۔

سحری کا وقت صبح صادق پر ختم ہو جاتا ہے۔ چاہے مُرغا بولے یا نہ بولے۔ مؤذن اذان کہے یا نہ کہے۔ اور یہ سمجھنا کہ جب تک بدن کا رُواں نظر نہ آئے کھاتے رہو غلط ہے۔ صبح صادق کا تعلق روشنی سے نہیں وقت سے ہے اور جب شبہ ہو جائے کہ صبح ہو گئی ہے تو کھانا چھوڑ دیں لیکن سحری نہ ہو سکے تو روزہ ہرگز نہ چھوڑا جائے۔

ایک غلط خیال بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سحری کا وقت صبح صادق سے چند منٹ پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے، یہ غلط ہے۔ صبح صادق کا وقت ہی ختمِ سحری کا وقت ہے۔

افطار

روزہ کھولنے کو افطار کہتے ہیں جب دن چھُپ جائے تو افطار کرنے میں دیر کرنا اچھا نہیں۔ یہ سوچنا کہ جتنی دیر کریں اتنا ہی اچھا ہے غلط ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُھُمْ فِطْرًا (رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ)[1]	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنا وہ بندہ سب سے زیادہ پسند ہے جو افطار جلدی سے کرلے۔

---

[1] مشکوٰۃ صـ۱۷۵

تشریح:۔ جلدی سے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جوں ہی سورج چھپنے کا یقین ہو جائے فوراً افطار کرے لیکن اتنی جلدی بھی نہ ہو کہ وقت سے پہلے ہی افطار ہو جائے۔

افطاری کیا ہونی چاہئے؟

روزہ کھولنے کے لئے کوئی خاص چیز ضروری نہیں۔ حلال کمائی کی ہر کھانے پینے کی چیز سے افطار کر سکتے ہیں۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ:۔

(۱) یا تو کھجور ہو (۲) ورنہ پانی ہو[1] (۳) ورنہ کوئی بھی ایسی چیز ہو جو آگ پر نہ پکی ہو[2]

حکمت حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ کھجور سے افطار کرنے میں یہ حکمت ہے کہ معدہ میٹھی چیز کو پسند کرتا ہے اور پانی اس لئے فرمایا گیا کہ روزے سے معدے میں ایک قسم کی خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب پانی پی لیا جائے گا تو پھر اس کے بعد جو غذا استعمال ہو گی معدہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے جس شخص کو بھوک بھی لگی ہو اور پیاس بھی اُسے کھانے سے پہلے تھوڑا سا پانی پی لینا مفید ہوتا ہے[3] شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میٹھی

---

[1] رواہ احمد وابوداود والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحیہما عن سلمان الضبی۔ مشکوٰۃ ص۱۷۵ والسراج المنیر ج ۱ ص۹۶

[2] رواہ ابو یعلی عن انس وفیہ عبدالواحد بن ثابت وہو ضعیف۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص۱۵۵

[3] شرح المواہب ج ۸ ص۱۰۷

چیز علاوہ معدے کے خاص طور پر نظر کے لئے بھی مفید ہوتی ہے[1]

تنبیہ افطاری کے لئے ظہر کے بعد ہی سے دنیا بھر کی چیزیں جمع کرنا اور مغرب تک بنانا اور پھر افطار میں کھاتے کھاتے جماعت اور نماز کو دیر کر دینا بڑی غلط بات ہے۔ جہاں پورے دن صبر کیا مختصر سا افطار کر کے تھوڑا سا صبر اور سہی جماعت سے نماز پڑھیں اور اطمینان سے نماز پڑھ کر کھانا کھائیں۔

کتاب کے شروع میں تم کسی روزے دار کو افطار کرانے کا ثواب پڑھ چکے ہو لہٰذا کیا اچھا ہو کہ جہاں دو چار چیزوں کا انتظام اپنے لئے کیا ہے کسی غریب محتاج کو بھی کچھ کھلا پلا دیا جائے اس کے روزے کے برابر ثواب تمہیں بھی مل جائے گا۔ اور اگر کوئی تمہیں کچھ دے تو یہ نہ سمجھو کہ اس کی چیز کھانے سے میرا ثواب اسی کو مل جائے گا۔ افطار کرانے والے کو روزہ دار کا ثواب نہیں دیا جاتا بلکہ اسی کے برابر اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے دیتے ہیں۔

افطار کرنے کے بعد کلی کر لینی چاہیئے۔ رمضان میں اگر آنے والوں کی رعایت میں نماز مغرب دس بارہ منٹ دیر سے پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ بہتر ہے۔

ایک ضروری بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ آدمی کو یوں تو ہمیشہ ہی حلال مال کھانا چاہیئے لیکن رمضان میں افطار وغیرہ کے لئے حلال مال کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے۔ ذرا شبہ کی چیز سے بھی بچنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک بڑے عالم قاضی حسین صاحبؒ گزرے ہیں وہ اتنی احتیاط برتتے تھے کہ چلتی ہوئی نہر میں سے چلو بھر

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۵۳ (مطبوعہ رشیدیہ دہلی)

پانی لے کر افطار کرتے تھے[1] کیونکہ اور سب چیزوں میں کوئی نہ کوئی شبہ ہے۔ بہرحال اپنی کمائی میں جو مال بہتر سے بہتر ہو اس سے افطار کرنا چاہیئے۔

تقویٰ کا ہیضہ

بعض لوگ جب زیادہ تقویٰ و پرہیزگاری میں آتے ہیں تو انھیں یہ خبط بھی سوار ہوتا ہے کہ حلال مال تو آجکل کہیں مل ہی نہیں سکتا سوائے اس کے کہ دریا سے مچھلیاں پکڑ پکڑ کر لائی جائیں یا گھاس چر کر پیٹ بھر لیا جائے، لیکن یاد رہے کہ یہ تقویٰ کا ہیضہ ہے[2] اگر دنیا میں حلال مال مل ہی نہ سکتا تو اس کے حاصل کرنے کا حکم بھی ہرگز نہ دیا جاتا۔ خدا اپنے بندوں کو کسی ایسے کام کا حکم نہیں کرسکتا جو ان کے بس کا نہ ہو۔ یہ تمام شیطانی وساوس ہیں ان سے بچنا چاہیئے اور مسائل کی تحقیق کرکے حلال حرام کی خبر رکھنی چاہیئے۔ دنیا میں حرام بھی ہے اور حلال بھی ہے جو جیسا تلاش کرتا ہے اُسے ویسا ہی مل جاتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ آجکل حرام سے کہاں بچا جاسکتا ہے نادانی بلکہ شریعت کے حکموں سے جان بچانا ہے۔ دنیا میں حلال کمانے والوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن دنیا کے مالداروں کی حرص میں مالدار بننے کی خواہش کرنا اور پھر حرام حلال سے بے فکر ہو جانا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ مالدار بننا گناہ نہیں لیکن حرام طریقے اختیار کرنا بُرا ہے۔ حلال طریقے سے محنت کرکے کماؤ اور جو خدا دے اس پر صبر کرو، قسمت سے زیادہ نو مل نہیں سکتا۔

مسائل معلوم کرو جو جائز ہو اُسے اختیار کرو اور ناجائز سے بچو، شروع میں

---

[1] عینی جز ۵ ص ۲۹۰ [2] یہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے عالم و بزرگ کے الفاظ ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ مال میں کچھ کمی آتی نظر آئے لیکن کچھ دن بعد دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت دیدے گا اور کچھ دن حلال روزی استعمال کرنے کے بعد تمہیں اپنے دل میں ایک طرح کی فرحت اور ایک نُور محسوس ہوگا جو مال کی کمی کے افسوس سے سینکڑوں گنا زیادہ آرام دہ اور خوش کن ہوگا۔

ایک غلط فہمی بعض لوگ نمک سے افطار کرنا ثواب سمجھتے ہیں یہ غلط ہے، جیسی اور تمام چیزیں ہیں ویسا ہی نمک بھی ہے۔

افطار کی دُعائیں

اُوپر آچکا ہے کہ افطار کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ یہی وقت ہمارے کھانے پر ٹوٹنے کا ہوتا ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ افطار کے وقت سے دس پندرہ منٹ پہلے تمام کاموں سے فارغ ہوجائیں اور توجہ سے ذکر و تلاوت اور دُعا میں لگ جائیں۔ اپنے لئے بھی دُعائیں کریں اور تمام مسلمانوں کی خیر و فلاح کی بھی دُعا مانگیں اور یاد آجائے تو اس ناچیز کو بھی اپنی نیک دُعاؤں میں شریک کرلیں۔

اس وقت میں یوں تو جونسی دُعا چاہیں مانگ سکتے ہیں لیکن افطار کی خصوصی دعائیں بھی حدیث میں کئی آئی ہیں ان میں سے سب یا جو آسان معلوم ہو پڑھ لیا کریں

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ [۱]	اللہ کا شکر ہے جس کی مدد سے میں نے روزہ رکھا اور جس کے دیئے ہوئے رزق سے افطار کیا۔

---

[۱] عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص۱۲۹ من معاذ

(۲) اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْنَا وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْنَا فَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ ؎۱ | اے اللہ! ہم نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا۔ پس تو ہمارے روزے کو قبول فرما بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے۔

(۳) اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ ؎۲ | اے اللہ! میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دئے ہوئے رزق سے افطار کرتا ہوں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یہ پڑھ کر افطار کرتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ ؎۳ | اے اللہ میں تیری اس رحمت کے صدقے تجھ سے دعا کرتا ہوں جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کہ تو میرے گناہ بخش دے۔

افطار کرنے کے بعد یہ پڑھے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ | اللہ کا شکر ہے پیاس بجھ گئی اور رگیں تر

؎۱ دارقطنی عن ابن عباس۔ تفسیر عزیزی سورۂ بقرہ صفحہ ۲۷ فارسی مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

؎۲ ابوداود مرسلاً عن معاذ بن زہرۃ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۷۵، اس دعا کے درمیان میں جو چند جملے اور مشہور ہیں مجھے حدیث کی کتابوں میں نہیں ملے، واللہ اعلم۔ اس رسالے کی نظر ثانی کے وقت مرقات شرح مشکوٰۃ (صفحہ ۱۵۹) دیکھی تو ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ "عام لوگوں کی زبانوں پر جو یہ الفاظ ہیں اللّٰھُمَّ لَکَ صمت وبک آمنت وعلیک توکلت وبصوم غدٍ نویت یہ بے اصل ہیں"۔ فالحمد للہ علی ذلک (مؤلف)

؎۳ حاکم، ابن ماجہ صفحہ ۱۲۶، ابن السنی صفحہ ۱۲۵

اَلْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَاللّٰہُ ؎۱ ہوگئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر ضرور ملے گا

اور اگر کسی دوسرے کے یہاں افطار کرے تو افطار کرنے کے بعد یہ پڑھے :۔

اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ وَ اَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ ؎۲

تمہارے پاس نیک لوگ افطار کریں اور تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں اور فرشتے تمہارے لئے دعائیں کریں۔

روزہ دار کے لئے اچھے کام

روزے میں پورا دن برائیوں سے پرہیز اور نیکیوں میں لگ کر گزارنا چاہیے۔

روزے سے متعلق خاص طور پر یہ چند چیزیں مستحب ہیں۔

(۱) سحری کھانا (۲) صبح صادق سے پہلے نیت کرنا

(۳) سحری آخر وقت میں کھانا بشرطیکہ یقینی طور پر صبح صادق سے پہلے فارغ ہو جائے۔

(۴) جیسے ہی اس کا یقین ہو کہ سورج چھپ گیا فوراً افطار کر لینا۔

(۵) زبان، کان اور دل ودماغ کو اور جسم کے تمام اعضاء کو ہر غلط کام اور

؎۱ رواہ ابو داؤد والنسائی والحاکم وابن السنی صـ۱۳۸ عن ابن عمرؓ من قولہ ذہب الظماء وزاد رزین فی اول الحدیث الحمد للہ۔ شرح المواہب جـ۸ صـ۱۰۱

؎۲ ابو داؤد، صحیح ابن حبان، ابن ماجۃ کما فی الحصن صـ۲۲۶ (مترجم) وہو حدیث صحیح کما فی السراج المنیر صـ۲۵ قلت ورواہ ابن السنی ایضاً فی عمل الیوم واللیلۃ صـ۱۲۹۔

بیہودہ بات سے اور گندے خیالات سے پاک رکھنا بالخصوص غیبت، جھوٹ وغیرہ سے پرہیز کرنا۔

(۶) کھجور یا چھوارے سے اور یہ نہ ہو تو پانی سے یا کسی ایسی چیز سے افطار کرنا جو آگ پر نہ پکی ہو۔

ان باتوں میں کوئی حرج نہیں

روزے میں کچھ باتیں ایسی ہیں کہ نہ اُن سے روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ مکروہ ہوتا ہے انھیں یاد رکھو بہت سے لوگ ان باتوں سے روزہ ٹوٹنے یا مکروہ ہونے کا خیال کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ شریعت کے مسئلوں میں اپنی عقل کو کوئی دخل نہ دینا چاہیئے، جن باتوں سے روزے میں کوئی خرابی نہیں آتی یہ ہیں :-

(۱) سرمہ لگانا یا آنکھ میں دوا ڈالنا چاہے اس کا اثر تھوک میں بھی آجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں سرمہ لگایا ہے[۵۱]

(۲) سر یا بدن پر تیل ملنا۔

(۳) ٹھنڈک کے لئے غسل کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گرمی کی وجہ سے غسل کرلیا کرتے تھے[۵۲]۔ اِسی طرح بھیگا ہوا کپڑا بدن پر ڈالنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

---

۵۱ عن ابی رافع قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکتحل بالاثمد وہو صائم، رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۷ وفیہ عدۃ روایات ذکرت فی المرقات ج ۲ ص ۵۲۲

۵۲ رواہ مالک وابوداؤد بشکوۃ ص ۱۷۷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے[1]

(۴) مسواک کرنا، چاہے تر لکڑی کی ہو یا خشک کی، صبح کے وقت ہو یا شام کے وقت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں روزے میں مسواک سے کوئی پرہیز نہ تھا[2]

(۵) خوشبو لگانا یا سونگھنا، دھویں دار خوشبو اگربتی وغیرہ کا حکم آگے آرہا ہے۔

(۶) خود بخود قے ہو جانا (۷) اپنا تھوک نگل لینا

(۸) بھولے سے کچھ کھا پی لینا چاہے پیٹ بھر کر کھا لیا ہو، بھولے سے صحبت کر لینا۔

(۹) حلق میں خود بخود مکھی، مچھر یا دھواں، گرد و غبار وغیرہ چلا جانا۔

(۱۰) ایسا آپریشن یا چیرا یا فصد کرانا جس سے زیادہ کمزوری نہ آئے اور روزہ نہ توڑنا پڑے۔

(۱۱) کان میں پانی چلا جانا چاہے اپنے ارادے سے ڈالا ہو یا خود بخود چلا گیا ہو۔

(۱۲) احتلام ہو جانا۔ یعنی سوتے ہوئے غسل کی ضرورت ہو جانا۔

روزہ اور انجکشن

روزے کی حالت میں اگر انجکشن لگوا لیا جائے تو اس سے روزے میں کوئی خلل نہیں پڑتا بلکہ جسم میں طاقت کے لئے گلوکوز (GLOCUSE) کا انجکشن لگوانے میں

---

[1] مراقی الفلاح بحاشیۃ للطحطاوی صفحہ ۳۷۳

[2] ابوداؤد والترمذی عن عامر بن ربیعۃ مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۶ والبسط لہا مسئلۃ فی المرقاۃ ج ۲ صفحہ ۵۲۹

بھی کوئی حرج نہیں چاہے اس سے غذا جیسی قوت حاصل ہو جاتی ہو[1] ہاں البتہ ایسے انجکشن سے روزہ ٹوٹ جائے گا جس کے ذریعے براہِ راست معدے یا دماغ کے اندر دوا یا غذا پہنچ جائے۔

روزے میں یہ تمام باتیں مکروہ ہیں

(۱) گوند چبانا یا کوئی چیز منہ میں ڈالے رکھنا، ہاں اگر بچے کو کچھ چبا کر کھلانا ضروری ہے اور دوسرا کوئی چبا کر دینے والا نہیں تو ماں بچے کو چبا کر دے سکتی ہے[2]

(۲) کوئی چیز چکھنا، مگر بعض حالتوں میں مجبوری کے وقت اس کی اجازت ہے مثلاً کھانا پکانے والی عورت یا باورچی کو جب یہ خوف ہو کہ کھانے میں کوئی نقص ہوا تو سزا ملے گی تو زبان کی نوک سے چکھ کر تھوک دیں[3]

(۳) جوان میاں بیوی کا آپس میں ہر وہ کام جس سے شہوت اُبھرے جیسے بوسہ لپٹنا چمٹنا وغیرہ۔

(۴) منہ میں بہت سا تھوک جمع کر کے نگلنا۔

(۵) استنجا کرتے ہوئے یا کُلّی کرتے ہوئے یا ناک میں پانی ڈالتے ہوئے زیادہ اندر تک پانی پہنچانا۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے "آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام" صفحہ ۱۶۲ مؤلفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ (مطبوعہ کتب خانہ قاسمی دیوبند۔ یو، پی)

[2] مراقی الفلاح وحاشیۃ للطحطاوی صفحہ ۳۷۲ [3] ایضاً

(۶) غیبت، چغلخوری، جھوٹ اور ہر بیہودہ بات

(۷) بے قراری اور گھبراہٹ ظاہر کرنا، خواہ زبان سے ہو یا عمل سے۔ مثلاً ہائے ہائے کرنا، بہت زیادہ نہانا اور گرے پڑے رہنا وغیرہ۔

(۸) رات کو نہانے کی حاجت ہو تو غسل کو قصداً صبح صادق کے بعد تک چھوڑے رکھنا، لیکن روزہ بہرحال ہو جائے گا چاہے سورج نکلنے تک غسل نہ کیا ہو البتہ بہت گناہ ہوگا۔

(۹) کوئلہ، منجن، ٹوتھ پیسٹ (TOOTH PASTE) ٹوتھ پاؤڈر (TOOTH POWDER) سے دانت مانجھنا۔

(۱۰) کوئی ایسا آپریشن کرانا یا اتنا محنت کا کام کرنا کہ جس سے روزہ توڑنا پڑ جائے۔[۵۱]

روزہ گیا مگر صرف قضا واجب ہوگی

جن باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اُن میں سے کچھ تو ایسی ہیں جن سے روزہ تو ٹوٹ جاتا ہے مگر اس کے بدلے صرف ایک ہی روزہ رکھنا پڑتا ہے اس کو قضا کہتے ہیں اور کچھ کام ایسے ہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے بدلے قضا کے علاوہ دو مہینے کے روزے اور رکھنے پڑتے ہیں اور اسے کفارہ کہتے ہیں[۵۲] تو وہ باتیں جن سے صرف قضا واجب ہوتی ہے یہ ہیں:-

---

۵۱ مراقی الفلاح د حاشیہ للطحطاوی ص ۳۶۲

۵۲ قضا و کفارہ دونوں کا بیان آگے آرہا ہے۔

(۱) کسی نے زبردستی روزہ دار کے منہ میں کوئی چیز ڈالدی اور وہ حلق سے اُتر گئی۔
(۲) روزہ یاد تھا مگر کلّی کرتے وقت بلا ارادہ حلق سے پانی اُتر گیا۔
(۳) قے آئی اور قصداً حلق میں لوٹا لی۔
(۴) اپنے ارادے سے منہ بھر قے کر ڈالی
(۵) کنکری یا پتھر کا ٹکڑا یا کسی چیز کی گٹھلی یا کاغذ کا ٹکڑا یا کچا گیہوں یا کوئی اور اس قسم کی چیز جو نہ عادتاً کھائی جاتی ہے اور نہ دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے، اس کو کھالیا۔
(۶) دانتوں میں کوئی چیز گوشت کا ریشہ یا روٹی وغیرہ کا ٹکڑا اٹکا ہوا تھا اس کو زبان یا خلال وغیرہ سے نکال کر کھالیا لیکن منہ سے باہر نہیں نکالا تو دیکھو اگر چنے سے چھوٹا ہے تو روزہ نہیں گیا اور اگر چنے کے برابر یا اس سے بھی بڑا ہے تو روزہ ٹوٹ گیا۔

یہ مسئلہ اس وقت ہے جب منہ سے باہر نہ نکالا ہو اور اگر دانت سے نکالنے کے بعد منہ سے باہر نکال لیا تھا پھر دوبارہ منہ میں ڈال کر نگل لیا تو اب ہر حال میں روزہ ٹوٹ گیا چاہے چنے کے برابر ہو یا اس سے کم۔

(۷) کان یا ناک میں تیل ڈالا[1]۔ (۸) ناس (ہلاس) لیا۔
(۹) منہ سے خون نکلا اور اُس کو تھوک کے ساتھ نگل لیا تو اگر خون تھوک سے زیادہ تھا تو روزہ ٹوٹ گیا۔

---

[1] پانی ڈالنے سے روزہ نہیں جاتا۔ یہ مسئلہ پیچھے آچکا ہے۔ دیکھئے ص ۱۰۲

اور اگر خون کم تھا اور اس کا مزہ حلق میں معلوم نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۱۰) بھولے سے کچھ کھا پی لیا تھا اور پھر یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا دوبارہ قصداً کھایا پیا۔

(۱۱) یہ سمجھ کر کہ ابھی صبح نہیں ہوئی سحری کھالی۔ پھر پتہ چلا کہ صبح صادق ہو چکی تھی۔

(۱۲) رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں کوئی روزہ قصداً توڑ دیا، چاہے وہ رمضان ہی کی قضا ہو۔

(۱۳) شام کو ابر یا غبار کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ سورج چھپ گیا ہے روزہ افطار کر لیا حالانکہ ابھی دن باقی تھا۔

(۱۴) میاں بیوی نے آپس میں چھیڑ چھاڑ کی یا بوسہ لیا اور اس سے انزال ہو گیا۔

(۱۵) اگربتی یا لوبان وغیرہ کی دھونی سلگا کر اپنے ارادے سے حلق میں دھواں پہنچا لیا۔

(۱۶) حُقْنَہ (انیما- ENEMA) کرایا۔

ان تمام صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور ایک روزے کے بدلے صرف ایک ہی روزہ رکھنا پڑتا ہے۔

روزہ گیا اور قضا و کفّارہ دونوں واجب ہوئے

نیچے جو صورتیں لکھی جا رہی ہیں ان میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے، لیکن یاد رکھو کہ کفارہ صرف اسی وقت آتا ہے جبکہ [1] ادا روزہ [2] رمضان ہی کے مہینے میں جان [3] بوجھ کر توڑ دیا جائے۔ اگر رمضان کے مہینے

کے علاوہ اور دنوں میں رمضان کا روزہ بھی جان بوجھ کر توڑ دیا تب بھی صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔

(۱) کوئی ایسی چیز اپنے ارادے سے کھائی پی جو غذا یا دوا کے طور پر یا مزے کے لئے کھائی جاتی ہے۔

(۲) روزہ یاد تھا پھر بھی قصداً صحبت کرلی۔

(۳) فصد کھلوائی یا سرمہ لگایا پھر یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا قصداً کچھ کھا پی لیا۔

اِن صورتوں میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

قضا روزوں کا مالی بدلہ یعنی فِدیہ

(۱) اگر کسی مجبوری کی وجہ سے روزے رہ گئے ہوں تو جب وہ مجبوری ختم ہو جائے جلد سے جلد ادا کرلینے چاہئیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں کیا خبر کہ کب دم نکل جائے اور فرض اپنے ذمّے رہ جائے۔ مثلاً بیمار کو تندرست ہونے کے بعد، مسافر کو سفر سے واپس آجانے کے بعد جلد سے جلد روزے پورے کرلینے چاہئیں۔ بعض لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ سردی کا موسم آئے تو روزے پورے کریں۔ یہ بُری بات ہے۔

(۲) اگر بہت زیادہ بوڑھا ہوگیا اور اب طاقت آنے کی اُمید بھی نہیں یا ایسا بیمار ہوگیا کہ اب صحت کے آثار نظر نہیں آتے تو ان صورتوں میں اپنے روزوں کا مالی بدلہ دیدے جسے فِدیہ کہتے ہیں، یعنی ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام گیہوں، یا ساڑھے تین سیر یعنی ۳ کلو ۲۶۶ گرام جَو، یا

اُن کی قیمت یا ان کی قیمت کے برابر کوئی اور غلہ چاول یا باجرہ، جوار وغیرہ فقیروں، محتاجوں کو دیدے، لیکن اگر فدیہ دے دینے کے بعد خدا نے طاقت دیدی یا بیمار تھا صحتمند ہو گیا تو اب روزے رکھنا ضروری ہے۔ مسکینوں کو جو کھانا کھلا چکا ہے اس کا ثواب الگ مل جائے گا۔

(۲۴) اگر کسی مجبوری میں روزے چھوٹے تھے اور ابھی وہ مجبوری ختم نہیں ہوئی تھی کہ دنیا سے چل بسا تو اب اس پر کوئی پوچھ نہیں۔ کیونکہ اس بیچارے کو ادا کرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہاں اگر موقع ملا تھا مگر اس نے سستی کر کے روزے پورے نہ کئے تو یہ فریضہ اس کے ذمے رہا اور خدا کے یہاں پکڑ ہو گی اور اگر سفر یا مرض کی وجہ سے دس روزے رہ گئے تھے اور پھر اس سفر یا مرض سے فارغ ہو کر پانچ دن زندہ رہا اور روزے شروع نہ کئے تو پانچ ہی دن کی قضا اس کے ذمے رہی کیونکہ اسے اتنا ہی وقت ملا۔ اب اُس کے رشتہ داروں کو چاہیئے کہ اس کے روزوں کا فدیہ دیدیں۔ انشاء اللہ اُس کے ذمے سے روزے ادا ہو جائیں گے اور اگر وہ شخص مال چھوڑ گیا ہے اور فدیہ دینے کو کہہ بھی گیا ہے تو وارثوں کے اوپر فدیہ دینا ضروری اور واجب ہے۔ ہاں اگر اس نے مرتے وقت روزوں کا فدیہ دینے کو کہا تھا مگر مال کچھ نہیں چھوڑا یا اتنا چھوڑا کہ اس مال کے ایک تہائی حصے میں اس کے روزوں کا بدلہ پورا نہیں ہوتا یا مال تو کافی چھوڑا ہے مگر کچھ کہا نہیں تو ان سب صورتوں میں وارثوں پر اس کے روزوں کا فدیہ دینا واجب تو نہیں ہے مگر مرنے والے کے ساتھ ہمدردی اور اُس کی آخرت کی بھلائی کی نیت سے

دے دینا اچھا ہے
مرنے والے کی طرف سے اُس کے رشتے دار یا ملنے والے فدیہ تو دے سکتے ہیں لیکن اس کی طرف سے نماز یا روزے کی قضا نہیں کر سکتے۔

قضاء کے مسئلے

(۱) جتنے روزے قضا ہو گئے ہیں سب کو ایکدم لگاتار بھی رکھ سکتے ہیں اور تھوڑے تھوڑے کر کے بھی۔
(۲) اگر ایک رمضان کے کچھ روزے باقی تھے اور سستی کرتے کرتے دوسرا رمضان آگیا تو اب اِس رمضان کے ادا روزے رکھے اور بعد میں پہلے رمضان کی قضا کرے۔
(۳) قضاء کے اور کفّارے کے روزے میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے اگر صبح ہونے کے بعد نیت کی تو وہ روزہ قضا کا نہ ہوگا بلکہ نفلی ہو جائیگا۔ قضا کا پھر سے رکھنا ہوگا۔
(۴) روزوں کی قضا میں یہ مقرر کرنا ضروری نہیں کہ یہ فلاں تاریخ فلاں دن کی قضا ہے بجتنے روزے رہ گئے ہوں گنتی سے اتنے رکھ لئے جائیں، ہاں اگر دو رمضانوں کے کچھ کچھ روزے رہ گئے تھے تو سال کا مقرر کرنا ضروری ہے کہ یہ فلاں سال کے روزے ہیں۔
(۵) نفلی روزہ اگر رکھ کر توڑ دیا تو ایک روزے کے بدلے ایک روزہ رکھنا واجب ہو گیا۔ کیونکہ نفل نماز یا نفل روزہ شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے،

ہاں شروع ہی نہ کرو تو حرج نہیں۔

کفّارہ کسے کہتے ہیں؟

دراصل رمضان المبارک کا روزہ ایسی اونچی دولت ہے کہ کوئی چیز اس کا بدل بن ہی نہیں سکتی۔ حدیث شریف میں ہے :-

"جس نے بغیر کسی مجبوری یا بیماری کے رمضان کا روزہ چھوڑ دیا وہ اگر زندگی بھر روزے رکھے تب بھی اس کا بدل نہیں ہوسکتا"۔ [1]

رمضان کا روزہ جب اپنے وقت پر رکھا جائے اس میں جو برکت، فضیلت اور خوبی ہے وہ تو بہر حال بعد میں کسی طرح بھی حاصل نہیں ہوسکتی اور ایک روزہ ہی کیا ہر کام جب اپنے وقت پر ہوتا ہے تو اس کی بات ہی اور ہوتی ہے اور جب کسی کام کا وقت نکل جاتا ہے تو پھر ہزار کوشش کرلو لیکن وہ بات پیدا نہیں ہوتی۔

حضور کے اس فرمان کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ اب اس روزے کی قضا ہی نہیں ہوسکتی بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو بات اپنے وقت پر روزہ رکھنے میں ہے وہ بعد میں ہرگز نہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص نے رمضان میں کسی وجہ سے روزہ نہ رکھا وہ تو ایک

---

[1] رواہ احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ابن خزیمہ فی صحیحہ، والبیہقی عن ابی ہریرۃ مشکوٰۃ ص۱۷۷، الزواجر لابن حجر المکی ج۱ ص۲۰

روزے کے بدلے ایک ہی روزہ رکھے گا لیکن جس نے روزہ رکھ کر بغیر کسی مجبوری کے جان بوجھ کر توڑ دیا اس نے سخت غلطی کی۔ اب اس کو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیئے اور اس ٹوٹے ہوئے روزے کے بدلے ایک روزہ رکھے اور ایک غلام آزاد کرے لیکن چونکہ آجکل غلام نہیں ہیں اِس لئے اب صرف دو صورتوں سے کفارہ ادا ہو سکتا ہے۔

اوّل یہ کہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے اور اگر کسی وجہ سے بیچ میں کوئی روزہ چھوٹ جائے تو پھر سے دو مہینے کی گنتی پوری کرے۔

دوسرے اگر دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے یا ساٹھ آدمیوں کو فی آدمی ایک کلو چھ سو تینتیس ۶۳۳ گرام گیہوں یا ان کی قیمت یا قیمت کے برابر چاول یا باجرہ یا جوار دیدے۔ اگر ایک ہی مسکین کو روزانہ ایک دن کا غلہ یعنی ایک کلو چھ سو تینتیس ۶۳۳ گرام گیہوں دے دیا جائے یا اُسے ساٹھ دن تک دونوں وقت کھانا کھلا دیا جائے تو بھی جائز ہے، لیکن اگر ایک مسکین کو ایک دن میں ایک دن سے زیادہ کا غلہ یا قیمت دیدی تو ایک دن کا تو صحیح ہوگا اور ایک دن سے زیادہ جتنا بھی دیا ہے وہ کفارے میں شمار نہ ہوگا، بس ایک مسکین کو ایک دن کے غلے سے نہ زیادہ دے سکتے ہیں اور نہ کم۔

اگر کسی نادان نے ایک رمضان میں کئی روزے توڑ ڈالے تو اُس نے بہت ہی بُرا کیا مگر کفارہ ایک ہی واجب ہوگا۔ ہاں اگر کئی رمضانوں کے روزے ہوں تو ہر رمضان کا الگ الگ کفارہ واجب ہے۔

کن کن وجہوں سے روزہ چھوڑ سکتے ہیں؟

یہ مجبوریاں ایسی ہیں کہ ان میں رمضان کے اندر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہو جاتی ہے۔

(۱) مسافر کو سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے لیکن اگر زیادہ مشکل نہ ہو تو رکھ ہی لینا بہتر ہے اور سفر سے مُراد شریعت کی بول چال میں وہ سفر ہوتا ہے جو اڑتالیس میل یعنی سوا ستتر کلو میٹر یا اس سے زیادہ ہو۔

(۲) ایسی بیماری جس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو یا مرض بڑھ جانے کا پورا خطرہ ہو، لیکن صرف اپنے دل میں خیال کر لینے سے روزہ چھوڑ دینا جائز نہیں جب تک کہ کوئی مسلمان دیندار حکیم یا ڈاکٹر نہ کہہ دے، ہاں اگر اپنا پہلا تجربہ ہے اور کچھ ایسے آثار نظر آرہے ہیں جن کی وجہ سے دل گواہی دے رہا ہے کہ روزہ رکھا تو ضرور مرض بڑھ جائے گا تو روزہ چھوڑ سکتے ہیں۔

(۳) بہت زیادہ بوڑھا آدمی اگر روزے نہ رکھ سکے تو ان کا فدیہ دے سکتا ہے۔

(۴) حمل والی عورت کو جب روزے کی وجہ سے کچھ نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔

(۵) دودھ پلانے والی عورت کے بچے کو اگر روزے سے نقصان ہوتا ہو تو وہ بھی چھوڑ سکتی ہے۔

(۶) عورت کو ماہواری کے دنوں میں اور بچہ پیدا ہونے کے بعد خون آنے کے زمانے میں روزہ رکھنا جائز نہیں، بعد میں پورے کرے۔

(۷) بیماری سے اُٹھنے کے بعد بدن میں ایسی کمزوری ہے کہ روزہ رکھنے سے پھر دوبارہ بیمار پڑ جانے کا غالب گمان ہے۔

ان تمام حالتوں میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے لیکن دوسروں کے سامنے اپنے بے روزہ ہونے کو ظاہر نہ کرے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ خدا کی چوری نہیں تو بندوں کی کیا چوری، غلط ہے۔ ہر وہ بات جو خدا کو معلوم ہے کیا بندوں کے سامنے لائی جاتی ہے ؟۔

روزہ توڑ دینے کی اجازت کب ہو جاتی ہے؟

فرض روزہ جان بوجھ کر توڑنا بہت سخت گناہ ہے لیکن اگر :۔

(۱) اچانک ایسی سخت بیماری ہو جائے کہ اگر روزہ نہ توڑا تو جان کا خطرہ ہے یا بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔

(۲) ایسی سخت بھوک و پیاس لگی کہ اگر روزہ پورا کیا تو موت واقع ہو جائیگی۔

(۳) کسی جانور نے کاٹ لیا یا زخم لگ گیا اور فوراً دوا پینا ضروری ہے۔

(۴) حاملہ عورت کو کوئی ایسی بات پیش آگئی کہ جس سے اپنی یا بچے کی جان کا خطرہ ہے تو ایسی صورتوں میں روزہ توڑنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بہت محنت کا کام کیا اور اس سے بے حد پیاس لگ آئی اور اتنی بیتابی ہو گئی کہ جان کا خطرہ ہے تو بھی روزہ توڑ دینا جائز ہے۔ لیکن روزے کی حالت میں خود سے اتنا سخت اور محنت کا کام کرنا کہ روزہ توڑنا پڑ جائے گناہ ہے۔

یہ بیان فرض روزے کا ہے، نفلی روزہ بغیر کسی سخت مجبوری کے بھی توڑنے کی گنجائش ہے مگر رکھنے کے بعد توڑنا اچھا نہیں، ہاں اگر کوئی ضرورت ہے مثلاً مہمان آگیا اور اس کے ساتھ نہ کھایا تو اس کا جی بُرا ہوگا یا کسی نے دعوت کی ہے اور اس میں شریک نہ ہوا تو اُسے تکلیف ہوگی تو نفلی روزہ توڑ دینا جائز بلکہ بہتر ہے مگر اس کی قضا رکھنا واجب ہے۔

تنبیہ بعض لوگ بیماری یا سفر کی وجہ سے بالکل لب دم ہو جاتے ہیں مگر روزہ نہیں توڑتے یہ بھی اچھی بات نہیں۔ اگر واقعی روزہ توڑنے کی ضرورت ہو تو توڑ دینا چاہیئے۔

بچوّں کا روزہ

بچوّں پر اگرچہ نماز روزہ فرض نہیں لیکن عادت ڈلوانے کے لئے بچوّں سے بھی نماز پڑھوائی جائے اور روزے رکھوائے جائیں۔ سارے نہ ہو سکیں تو تھوڑے ہی سہی۔ اس لئے کہ جو بچہّ اب کے رمضان میں تین روزے رکھ سکتا ہے۔ اگلے رمضان میں ضرور آٹھ دس رکھ سکتا ہے اسی طرح عادت پڑ جائے گی اور بڑے ہو کر روزے رکھنا آسان ہو گا۔

بعض مائیں یہ خیال کرتی ہیں کہ بچہّ کمزور ہو جائے گا، صحت برباد ہو جائیگی وغیرہ لیکن میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر ابھی سے اس کو روزے نہ رکھوائے گئے تو بڑا ہو کر کیسے رکھ سکتا ہے اور جب خدائے پاک کے ہاں روزہ نہ رکھنے پر سخت سے سخت سزائیں اور پٹائیاں ہوں گی تو بتاؤ وہ تکلیف زیادہ ہوگی یا یہ

دنیا کی ذراسی مشقت؟ جب تم سے اپنے لاڈلے کا پھول سا چہرہ مرجھایا ہوا نہیں دیکھا جاتا تو جب قیامت میں اس کو ہولناک عذاب ہوگا وہ کیسے برداشت کروگی؟ صحابۂ کرامؓ کے بھی بچے تھے اور وہ بھی اپنے ماں باپ کے چہیتے تھے لیکن ان حضرات کی محبت عقلمندی کے ساتھ تھی۔ وہ بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے دنیا کی ذراسی تکلیف برداشت کرلیتے تھے۔ ان کے بچے جب بھی روزہ رکھنے کے قابل ہوجاتے ضرور روزہ رکھواتے تھے، جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کے دن صبح کے وقت اعلان کرادیتے تھے کہ جس نے ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ رکھ لے۔ صحابۂ کرامؓ فرماتے ہیں:۔

كُنَّا بَعْدَ ذٰلِكَ نَصُوْمُهٗ وَنُصَوِّمُهٗ صِبْيَانَنَا الصِّغَارَ مِنْهُمْ وَنَذْهَبُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ فَإِذَا بَكَى أَحَدُهُمْ مِنَ الطَّعَامِ أَعْطَيْنَاهَا إِيَّاهُ حَتّٰى يَكُوْنَ عِنْدَ الْإِفْطَارِ۔ (رواہ البخاری ومسلم)[1]

یہ اعلان سن کر ہم خود بھی روزہ رکھتے تھے اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی رکھواتے تھے اور (انھیں لے کر) مسجد کی طرف نکل جاتے اور ان کے لئے رنگین اون وغیرہ کے کھلونے بنادیتے تھے، جب کوئی بچہ کھانے کے لئے روتا تو ہم اسے کھلونا دیکر بہلادیتے تھے اور اسی طرح افطار کا وقت ہوجاتا تھا۔

تشریح:۔ ذرا غور تو کرو کہ وہ بچے کتنے چھوٹے ہوں گے جو کھیل کھلونوں سے

---

[1] نیل الاوطار ج۴ ص۲۰۹ (مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی مصر الطبعۃ الثانیۃ سنہ ۱۳۷۰ھ، سنہ ۱۹۵۲ء)

بہل جاتے تھے۔ آج کی مائیں ذرا کلیجے پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ جب ان بچوں کی مائیں انھیں بھوک و پیاس سے بلکتا ہوا دیکھتی ہوں گی تو ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی، لیکن یہ سب کچھ اس لئے برداشت تھا کہ ان کے نزدیک بچّہ کے دیندار ہونے کی اہمیت آجکل کے احمقانہ لاڈ و پیار سے زیادہ تھی اور سچا پکا مسلمان ہونا ان کے نزدیک ہٹا کٹا جوان ہونے سے زیادہ بہتر تھا۔

ایک مصیبت

آجکل ہم لوگوں نے بیاہ، شادی، ولیمہ، ختنہ اور عقیقہ اور اِن جیسے اور بہت سے ان کاموں کو جو کہ خالص دین ہیں اپنی بے وقوفی سے انھیں رسم و رواج کے شکنجوں میں کس کر اپنے اوپر مصیبت بنا لیا ہے اور آسان سے آسان چیز کو سخت سے سخت اور مشکل سے مشکل کر لیا ہے۔ یہی حال بہت سی جگہوں پر بچّے کے پہلے روزے کا بھی ہے کہ جب بچہ پہلے پہل روزہ رکھتا ہے تو چاہے کوئی کتنا ہی غریب اور تنگدست ہو لیکن قرض لے کر، بھیک مانگ کر کسی نہ کسی طرح بچے کے لئے نئے کپڑے بنائے گا، رشتہ داروں، محلہ داروں اور کنبہ والوں کو دعوت دے گا اور بہتر سے بہتر کھانے پینے کا انتظام کرے گا اور قسم قسم کے پھل میوے مٹھائیاں بچّے کے افطار کے لئے لائے گا اور ان تمام بکھیڑوں کے ساتھ بچّے کا پہلا روزہ پورا ہو گا اور جب تک اتنی ہمت نہ ہو، بچّہ کا روزہ نہیں رکھا جا سکتا چاہے وہ جوان ہو جائے۔ میں نے اپنی آنکھ سے ایسے بچّے دیکھے ہیں جو جوان ہو گئے لیکن صرف اس وجہ سے ابھی روزے شروع نہیں کئے کہ والدین کے پاس ابھی اتنی گنجائش نہیں ہے کہ دھوم دھام سے بچّے کا پہلا روزہ رکھا سکیں۔ لاحول ولاقوۃ!

سچ کہا ہے اقبالؔ مرحوم نے ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی　　یہ اُمّت روایات میں کھو گئی

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو عقل نصیب فرمائے اور ہماری عبادتوں کو رسم و رواج کے شکنجوں سے آزاد کردے۔

روزے کی قسمیں

جیسے نمازیں فرض، واجب اور سنّت و نفل ہوتی ہیں اسی طرح روزے بھی کئی قسم کے ہیں۔ روزوں کی کُل آٹھ قسمیں ہیں :-

(۱) ایسا فرض جس کا وقت مقرر ہو، جیسے رمضان کے روزے۔

(۲) ایسا فرض جس کا کوئی وقت مقرر نہ ہو، جیسے رمضان کے قضا روزے، ان کا بعد میں رکھنا فرض ہے مگر کوئی وقت مقرر نہیں جتنا جلد موقع ملے رکھ لے۔

(۳) ایسا واجب جس کا دن تاریخ مقرر ہو جیسے کسی نے روزے بول لئے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو اللہ کے واسطے پرسوں جمعہ کا روزہ رکھوں گا پھر وہ کام ہو گیا تو اب یہ روزہ اسی دن رکھنا واجب ہے۔

(۴) ایسا واجب جس کا دن مقرر نہ ہو، جیسے کسی نے یہ بول لیا کہ اگر میں امتحان میں اول نمبر آگیا تو اللہ کے واسطے تین روزے رکھوں گا۔ پھر اللہ نے اس کو اول نمبر پر کامیاب کر دیا تو اس پر یہ تین روزے واجب ہیں مگر کوئی وقت مقرر نہیں جلد سے جلد چاہے جس دن رکھ سکتا ہے

(۵) سنت۔ وہ روزے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے ہیں، یا مسلمانوں کو اُن کے رکھنے کا شوق دلایا ہے، جیسے:۔

△ محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کے روزے (ان کو عاشورا کے روزے کہتے ہیں)۔

△ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ، یہ روزہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو حج کرنے کے لئے گئے ہوئے نہیں (اس کو عرفے کا روزہ کہتے ہیں)۔

△ ہر مہینے کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں تاریخ کے روزے (ان تین دنوں کو عربی میں ایام بیض کہتے ہیں)۔

یہ تمام روزے سنت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے ہیں ان کے رکھنے میں بہت ثواب ہے اور نہ رکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔

(۶) مستحب۔ اب تک روزوں کی جتنی قسمیں بیان ہوئی ہیں ان کے علاوہ باقی تمام روزے مستحب ہیں۔ لیکن بعض روزے ان میں سے ایسے ہیں جن کا ثواب زیادہ ہے، جیسے عید کے چاند میں چھ روزے، شعبان کے مہینے میں دو روزے، پیر اور جمعرات کا روزہ وغیرہ۔

(۷) مکروہ۔ ۱۔ صرف ہفتے کے دن کا روزہ ۲۔ محرم کی صرف دس تاریخ کا روزہ ۳۔ نوروز[1] کے دن کا روزہ

۴۔ خاوند کے گھر ہوتے ہوئے اسکی مرضی کے بغیر بیوی کا نفلی روزہ۔

---

[1] ایرانیوں کے یہاں یہ سال کا پہلا دن ہوتا تھا اس دن وہ لوگ بہت بڑا تیوہار مناتے تھے۔

۵۔ عام لوگوں کے لئے اس دن کا روزہ جبکہ ابر وغیرہ کی وجہ سے چاند کا صحیح پتہ نہ چلے اور شک ہو کہ یہ دن شعبان کا ہے یا رمضان کا۔

(۸) حرام۔ سال بھر میں پانچ دن کے روزے حرام ہیں۔ عید، بقرعید اور بقرعید کے بعد تین دن، اسی طرح سوائے خدا کے کسی اور کے نام کے روزے رکھنا بھی حرام ہے۔

اگر رمضان کی تیس تاریخ کو روزے کی حالت میں یہ معلوم ہوا کہ آج عید کا دن ہے تو جس وقت بھی یقین کے ساتھ پختہ طور پر معلوم ہو فوراً افطار کر لینا چاہیے۔ یہ خیال کرنا کہ اب تو دن کا اکثر حصّہ گزر چکا ہے اب اپنی محنت کیوں ضائع کریں، غلط ہے۔

ایک غلط خیال عید کی صبح کو بعض عورتیں روزہ سمجھتی ہیں اور پھر فجر سے پہلے یا فجر کے بعد افطار کرتی ہیں یہ بھی غلط ہے عید کے دن نہ کوئی روزہ ہے اور نہ روزے کی نیت۔

نفلی روزے

اوپر جن روزوں کا نمبر ۵ اور نمبر ۶ میں ذکر آیا ہے یہاں انھیں کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا ہے۔ خدائے پاک کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی بندے کی فرض نمازوں اور فرض روزوں میں کوئی کمی ہوتی ہے تو وہ نفل نمازوں اور نفل روزوں سے پوری کر دی جاتی ہے[۱]، اور ظاہر ہے کہ ہم لوگ اگر فرضوں کی گنتی بھی

---

[۱] ابوداود عن ابی ہریرۃ بمشکوۃ ص۱۱ ورواہ ابوداود ایضا عن تمیم الداری بمعناہ واسنادہ صحیح مرقاۃ ج۲ ص۱۹۲

پوری کردیں تب بھی ان گِنے چُنے فرضوں میں ہی کتنی کمزوریاں اور نقص ہوں گے اس لئے آدمی کو چاہیئے کہ فرائض کی پوری پابندی کے ساتھ نفل عبادتوں کا بھی اہتمام کرے تاکہ فرضوں میں جو کچھ کمی ہو وہ نفلوں سے پوری ہو جائے اور یہ جو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میاں ہم سے تو فرض ہی پورے ہو جائیں تو بہت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بالکل صحیح لیکن کیا ہم سے فرض بھی پورے پورے ادا ہو جاتے ہیں؟ ہمارے رکوع، ہمارے سجدے اور دوسرے ارکان کیا بالکل ٹھیک ٹھیک ادا ہو جاتے ہیں؟ اپنی نمازوں کی بہت سی کمزوریاں تو خود ہمیں معلوم ہوتی ہیں لیکن کتنی ہی کمزوریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا ہمیں خود علم نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں اگر کچھ ذخیرہ نفل نمازوں کا اپنے ساتھ نہ ہوا تو بتائیے کس طرح فرضوں کی کمی پوری ہوگی؟

نفل روزوں کی کئی قسمیں ہیں۔ سب ترتیب وار لکھی جاتی ہیں۔ جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ آجکل نفل نمازوں کا تو کچھ نہ کچھ رواج ہے لیکن نفل روزے رکھنے کا رواج بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمت والے آگے بڑھیں اور اس کمی کو پورا کریں۔

۱۔ محرّم کے روزے

رمضان کے بعد سب سے بہتر روزے محرم کے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:۔

أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ — رمضان کے بعد سب سے بہتر روزے

شَہْرُ اللّٰہِ الْمُحَرَّمُ (رواہ مسلم ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ)[1] محرم کے ہیں۔

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ محرم کے روزے سب نفلی روزوں سے افضل اس لئے ہیں کہ محرم سے اسلامی سال شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا سال کا شروع بہترین عمل یعنی روزے سے ہونا چاہیئے[2] امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ سال کا شروع ان روزوں سے اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ پورے سال برکت حاصل ہوتی رہے۔[3] اس حدیث شریف میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ یہ روزے کن تاریخوں میں رکھے جائیں بلکہ ایک عام لفظ بولا گیا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ اگر خدا ہمت دے تو پورے مہینے کے روزے رکھ لئے جائیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے اس حدیث کا یہی مطلب معلوم ہوتا ہے[4] لیکن خاص طور پر شروع کے دس دن کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے اور اگر نہ ہوسکے تو نو اور دس کا ضرور رکھ لینا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے محرم کی دسویں تاریخ (عاشوراء) کے روزے سے گزرے ہوئے ایک سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں[5] لیکن خیال رہے کہ صرف عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ ہے اس لئے اس سے ایک دن پہلے نو تاریخ کا بھی رکھنا چاہیئے اور یا اس کے بعد گیارھویں کو رکھے

---

[1] جامع صغیر بشرحہ السراج المنیر ج ۱ صفحہ ۲۴۴ [2] ایضاً

[3] احیاء العلوم صفحہ ۲۱۳ (مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱۳۴۶ھ)

[4] حاشیہ سنن ابی داود صفحہ ۳۳۲ [5] نصب الرایہ ج ۲ صفحہ ۴۵۹، مشکوۃ صفحہ ۱۷۹

اور بہتر یہ ہے کہ نو، دس، گیارہ تینوں تاریخوں کو رکھ لیا جائے، جیسا کہ ایک حدیث میں حکم بھی ہے[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنا اہتمام رمضان المبارک اور محرم کے روزوں کا کرتے تھے اور ان کے لئے دن گِنا کرتے تھے اتنا کسی اور روزے کا نہیں کرتے تھے[2]

اس روزے کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ محرم کی دس تاریخ کو بہت سے بڑے بڑے اہم کام ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے جانی دشمن فرعون کو خدائے ذوالجلال نے اسی دن غرقِ دریا کر کے ہمیشہ ہمیش کے لئے انھیں اس کے ظلم وستم سے آزاد کیا تھا۔ اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان ختم ہونے کے بعد جُودِی پہاڑ (MOUNT ALPHS) پر آکر ٹھہری تھی۔ اسی دن حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے نکلے تھے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام اس کنویں سے نکلے تھے جس میں ان کے بھائیوں نے اُنھیں ڈال دیا تھا۔ اسی دن حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے صدمے میں روتے روتے آنکھوں کی روشنی کھو بیٹھے تھے تو اسی تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے اُن کی آنکھیں روشن کیں۔ اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام

---

[1] رواہ احمد۔ نیل الاوطار ج۴ ص۲۵۵ [2] مشکوۃ ص۱۷۸

پیدا ہوئے اور اسی دن زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور اس مبارک مہینے کی یہی مبارک تاریخ تھی جبکہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہونے کی بشارت سنائی گئی تھی[1] یہ دن ان تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اوپر خدائے پاک کے احسانات کی ایک یادگار ہے اس لئے اسے روزے کی حالت میں گزارنا چاہیئے۔

۲۔ ذی الحجہ کے روزے

ذی الحجہ اس مہینے کو کہتے ہیں جس میں بقر عید ہوتی ہے۔ اس مہینے کی پہلی سے نو تک کے روزوں کا بہت ثواب ہے۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:۔

اَرْبَعٌ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ عَاشُوْرَاءَ وَالْعَشْرِ وَثَلٰثَةُ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ (رواہ احمد والنسائی)[2]	ان چار کاموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں چھوڑتے تھے (۱) عاشوراء کا روزہ (۲) بقر عید کے مہینے میں شروع کے نو روزے (۳) ہر مہینے کے تین روزے (۴) فجر کی دو سنتیں۔

اس حدیث سے ان روزوں کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا، ان کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

---

[1] عینی شرح بخاری جز ۵ ص ۳۴۷ اور مولانا عبدالحئی لکھنوی نے الآثار المرفوعۃ ص ۳۲ میں اور بھی سے اکثر چیزوں کو حدیثوں کے حوالے کے ساتھ لکھا ہے۔ (مطبع علوی لکھنؤ)

[2] مشکوۃ ص ۱۸۱، نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۵۲

لیکن اگر پورے نو روزے رکھنے کی ہمت نہ ہو تو نو تاریخ (عرفہ) کا روزہ تو رکھ ہی لینا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عرفے کے روزے سے ایک سال کے پچھلے اور ایک سال کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں[1] یاد ہو گا کہ رمضان کی فضیلت میں ایک حدیث اور اس قسم کی آچکی ہے کہ اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اب یہاں یہ بات کھٹکتی ہے کہ جس نے رمضان کے روزے ایمان داخلاص سے رکھ لئے اس کے تو آئندہ کے بھی گناہ معاف ہو چکے تو یہاں کس چیز کی معافی ہو گی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ جب کسی شخص کے ذمّے گناہ نہ ہوں تو مغفرت سے اس کے درجے بلند ہو جاتے ہیں[2]

اس روزے کی حکمت

اس دن روزہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ حج کا دن ہے جس میں خدائے پاک کی بے شمار رحمتیں اُترتی ہیں، جو لوگ حج کو نہیں گئے وہ روزہ رکھ کر حاجیوں کے ساتھ عبادت میں مشابہت پیدا کرتے ہیں تاکہ اُن کی برکتوں میں شریک ہو جائیں۔ اور بعض حدیثوں سے جو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ روزہ نہیں رکھا اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ آپ اس وقت خود حج کر رہے تھے تو حاجیوں کے ساتھ مُشابہت کیسی؟ دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ حج کرنے والا جب روزہ رکھ لے گا تو حج کے کاموں میں کمزوری ہو گی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے والوں کو یہ روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے[3]

---

[1] مشکوٰۃ ص۱۷۹، نصب الرایہ ج۲ ص۴۵۵ و نیل الاوطار ج۴ ص۲۵۲ [2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۴۹۳ ج۲
[3] کما فی حدیث ابی داؤد والنسائی عن ابی ہریرۃ و صححہ ابن خزیمۃ والحاکم۔ عینی شرح بخاری ج۵ ص۳۳۷

حدیث شریف میں ہے کہ نیک عمل کی جتنی قیمت ذی الحجہ کے ان دس دنوں میں ہے اتنی کسی دن میں نہیں[1]۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ان دنوں میں ایک روزے کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے[2]۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں یہ بات مشہور تھی کہ ذی الحجہ کے پہلے آٹھ دن میں کا ہر دن ایک ہزار دنوں کے برابر اور عرفہ دس ہزار دنوں کے برابر ہے[3]۔

حکمت علماء نے لکھا ہے کہ ان دس دنوں میں نیکیوں کا ثواب بڑھ جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کئی اہم عبادتیں جمع ہو گئی ہیں۔ حج، صدقہ خیرات، روزہ اور نمازیں، یہ تمام عبادتیں کسی اور دن اکٹھی نہیں ہوتیں[4]۔

۳۔ شش عید کے روزے

عید کے مہینے (شوال) میں عید کے دن کے بعد آخر مہینے تک چاہے جس تاریخ کو چھ روزے رکھ لینے چاہئیں۔ یہ روزے رمضان شریف کے فرض

---

[1] رواہ احمد والبخاری وابوداود والترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۳۶

[2] رواہ الترمذی وابن ماجۃ والبیہقی وقال الترمذی اسنادہ ضعیف کما فی المشکوۃ ص ۱۲۸ والترغیب ج ۲ ص ۱۹۹ وحکاہ القاری فی المرقاۃ ج ۲ ص ۵۵۲ (فی شرح غیر ہذا الموضع من المشکوۃ) عن صحیح ابی عوانۃ

[3] رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۳۱ للسیوطی۔

[4] نیل ج ۴ ص ۲۳۳

روزوں کے بعد ایسے ہیں جیسے فرض نماز کے بعد سنتیں اور نفلیں، ان کا بہت ثواب آیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:۔

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ۔
(رواہ احمد و مسلم و ابوداود و الترمذی و ابن ماجہ عن ابی ایوب الانصاری) [۱]

جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر عید بعد چھ روزے رکھے تو اس نے گویا ہمیشہ (پورے سال) کے روزے رکھے۔

تشریح:۔ سال بھر کے روزوں کے برابر ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر نیکی کا ثواب دس گنا دیا جاتا ہے تو رمضان کے ایک مہینے کے روزے تو دس مہینوں کے برابر ہوں گے۔ باقی بچے دو مہینے تو یہ چھ روزے دس گنے ہو کر سال بھر کا حساب پورا ہو جاتا ہے۔ کتنا آسان معاملہ ہے کہ محنت بہت کم اور ثواب بہت زیادہ۔

ایک رواج بعض علاقوں میں ایک رواج پڑ گیا ہے کہ یہ چھ روزے پورے کرنے کے بعد کھیر اور سوئیاں وغیرہ پکاتے اور تقسیم کرتے ہیں اور عید کا سا اہتمام کرتے ہیں اور اسے اپنی عوامی زبان میں "شرشا عید" کہتے ہیں۔ یہ رواج غلط ہے جیسے اور نفلی روزے ہیں ویسے ہی یہ بھی ہیں۔ عیدیں صرف دو ہی ہوتی ہیں۔ یہ تیسری عید من گھڑت ہے۔

آجکل ہم مسلمانوں نے دین کی سیدھی سادی عبادتوں کے آگے پیچھے رسم و

---

[۱] مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۹ نیل الاوطار ج ۴ صفحہ ۲۵۱

رواج کے بہت سے چکر پھیلا دیئے ہیں، ہمیشہ دین کی باتوں کو اپنی مرضی اور خواہشات کے جھمیلوں سے پاک رکھنا چاہیئے۔

۴۔ شبِ برائت کے روزے

شبِ برات کے مہینہ کا اسلامی نام شَعْبان ہے۔ اس مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت روزے رکھا کرتے تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رمضان کے بعد سب سے زیادہ روزے آپؐ شعبان ہی میں رکھتے تھے[۱]۔ ایک بار حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ سب سے زیادہ (نفلی) روزے شعبان ہی میں رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس مہینے میں بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچائے جاتے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں تو میں روزے سے ہوں۔[۲]

اس مہینے کی چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے خاص طور پر مستحب ہیں اور اُن کا بہت ثواب ہے۔ اگر دو نہ ہو سکیں تو کم از کم پندرہ کا تو رکھ ہی لینا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اِذَا کَانَتْ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ — جب شعبان آدھا ہو جائے تو اس کی رات میں

---

[۱] بخاری، مسلم، ابوداود، نسائی، ترمذی فی الشمائل۔ عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۳۰۹۔ مشکوٰۃ ص ۱۷۸

[۲] رواہ ابوداود والنسائی وصححہ ابن خزیمۃ۔ عینی ج ۵ ص ۲۱۳۔ نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۶۱

فَقُوْمُوْا لَیْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا۔ عبادت کرو اور اس دن میں روزہ رکھو۔
(رواہ ابن ماجۃ عن علی رضی) [51]

حکمت اِس مہینے میں روزے رکھنے میں ایک تو حکمت یہ ہے کہ رمضان سے پہلے روزہ رکھنے کی عادت ہو جاتی ہے اور رمضان کے روزے رکھنے میں پھر کوئی دقت نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ روزے رمضان کے فرض روزوں سے پہلے ایسے ہو جاتے ہیں جیسے فرض نماز سے پہلے سنتیں۔

۵۔ ہر مہینے میں تین روزے

شش عید کے روزوں کے بیان میں تم نے پڑھا ہے کہ رمضان کے ساتھ ملا کر ان روزوں کا ثواب سال بھر کے روزوں کے برابر ہو جاتا ہے، اِن روزوں کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے ہر مہینے میں تین روزے رکھ لئے اُس نے گویا ہمیشہ کے روزے رکھے[52]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان روزوں کی بہت پابندی کرتے تھے اور مسلمانوں کو ترغیب بھی دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں آپؐ نے۔ مہینے تین روزے رکھنے کی وصیت فرمائی تھی۔[53]
اِن روزوں کی اصل تاریخیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ، چودہ، پندرہ[54]

---

[51] ابن ماجہ ص۱۰۱ [52] احمد، مسلم، ابو داؤد عن ابی قتادہ النیل ج۴ ص۲۶۵ [53] نسائی ص۲۶۲ ج۱ (مصری)
[54] احمد، ترمذی، نسائی، ابن حبان فی صحیحہ عن ابی ذر کما فی الجامع الصغیر بشرح السراج المنیر ج۱ ص۱۴۳

فرمائی ہیں۔ لیکن کبھی کبھی آپ نے تاریخوں کی پابندی کے بغیر دوسرے دنوں میں بھی رکھے ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہینے کے جن تین دنوں میں چاہتے یہ روزے رکھ لیتے تھے[51] اور بعض دفعہ مہینے کے شروع ہی میں رکھ لیتے تھے[52] ہمیں ان روزوں کا بھی اہتمام کرنا چاہیے تاکہ ہمارے سال کے تمام دن خدا کے یہاں روزے میں شمار ہوں۔

۶۔ پیر اور جمعرات کے روزے

پیر اور جمعرات کے روزوں کی بہت فضیلت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسَ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)[53]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِيْ وَاَنَا صَائِمٌ (رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ)[54]

پیر اور جمعرات کو اللہ کے سامنے بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں تو میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال دکھائے جائیں تو میں روزے سے ہوں۔

---

[51] مسلم مشکوٰۃ ص۱۷۹
[52] ترمذی، ابوداود، نسائی عن ابن مسعود مشکوٰۃ ص۱۸۰
[53] مشکوٰۃ ص۱۷۹
[54] ایضاً ص۱۸۰

تشریح: یاد ہوگا ابھی اوپر شبِ براءت کے روزوں کے بیان میں تم یہ پڑھ آئے ہو کہ بندوں کے اعمال شعبان کے مہینے میں پیش ہوتے ہیں اور یہاں ہفتے میں دو بار بتا رہے ہیں۔ دراصل اس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ کاروباری لوگ جانتے ہیں کہ آمد و خرچ کا حساب تین بار ہوتا ہے۔

ایک تو صبح سے شام تک کا جتنا ہوتا ہے شام کو سب جوڑ کر ایک جگہ لکھ دیا جاتا ہے۔

دوسرے ہفتے میں ایک بار پورے ہفتے کا کل خرچہ اور آمدنی جوڑی جاتی ہے۔

تیسرے سالانہ حساب کی جانچ پڑتال کر کے، لینا دینا صاف کر کے پورا حساب بے باق کر دیا جاتا ہے اور پھر سال کے شروع سے نیا حساب چلایا جاتا ہے۔

اسی طرح خدائے پاک کے یہاں بھی حساب تین ہیں۔ ایک تو روزانہ کا کہ صبح سے شام تک کے اور شام سے صبح تک کے اعمال فرشتے روزانہ پہنچاتے رہتے ہیں، دوسرے ہفتے واری حساب ہے۔ یہ ہفتے میں دو بار ہوتا ہے۔ پیر کو اور جمعرات کو۔ تیسرا بڑا حساب ہے جو سالانہ ہے۔ یہ شعبان میں ہوتا ہے[1] ہم مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ان تینوں وقتوں میں ہم عبادات کا خاص اہتمام کریں۔ چنانچہ دوسرے اور تیسرے کے متعلق تو آپ حدیثیں دیکھ ہی چکے ہیں اور صبح و شام کے متعلق خود قرآنِ کریم کی کئی آیتوں میں یہ آیا ہے کہ صبح و

---

[1] مستفاد از مرقات ج ۲ ص ۲۴۲ باضافات

شام اللہ کی تسبیح اور اس کی یاد کیا کرو۔

نفلی روزوں کے مسائل

(۱) نفل روزے کی نیت چاہے یوں کرے کہ میں نفل روزہ رکھتا ہوں۔ اور چاہے صرف روزے کی نیت کرلے دونوں طرح روزہ صحیح ہوجائے گا۔

(۲) نفل روزے کی نیت آدھے دن سے پہلے پہلے کرسکتے ہیں۔ آدھا دن ہونے پر یا اس کے بعد نیت کرنا صحیح نہیں، دن کسے کہتے ہیں اور کب سے کب تک ہوتا ہے، یہ اوپر آچکا ہے۔

(۳) نفلی روزہ شروع کرنے کے بعد پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے روزہ توڑنا ہو تو بعد میں قضا ضرور کرے۔

(۴) روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر رات کو نیت تھی کہ کل کو روزہ رکھنا ہے اور صبح سے پہلے پہلے ارادہ بدل گیا اور روزہ نہ رکھا تو اس کی قضا نہیں۔

تراویح

رمضان کے مہینے میں عشاء کے فرضوں سے فارغ ہوکر جو ساری دنیا کے مسلمان مسجدوں میں جمع ہوکر بیس رکعت نماز پڑھتے ہیں اس کو تراویح کہتے ہیں۔ رمضان المبارک تو ہے ہی روزے نماز اور نیک کاموں کے لئے اس لئے ظاہر ہے کہ جتنی نمازیں ہم دوسرے مہینوں میں پڑھتے ہیں اگر اتنی ہی رمضان میں

بھی پڑھتے رہے تو ہم نے رمضان کی کیا قدر کی خدا سے ہماری وفاداری اور بندگی کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب اُس نے اعلان کیا کہ "نیکیاں کرنے والے آگے بڑھیں" تو ہم فوراً آگے بڑھیں اور اپنے تمام نیک کاموں کو بہت زیادہ کر دیں۔ حدیث شریف میں ہے :-

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (رواه البخاری ومسلم وزاد النسائی واحمد فی روایتہ قتیبۃ عن سفیان وَمَا تَأَخَّرَ)[1]

جس نے رمضان کی راتوں میں ایمان کے ساتھ اللہ کے لئے نمازیں پڑھیں اس کے پہلے تمام گناہ بخش دئے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔

تشریح :- علماء نے لکھا ہے کہ اس سے تراویح کی نماز مراد ہے، جو لوگ تراویح کی پابندی کرتے ہیں وہ اس ثواب میں شامل ہیں۔ تراویح کی نمازیوں تو اگر کوئی اپنے گھر پر ہی پڑھ لے تب بھی ہو جائے گی مگر ثواب میں بہت کمی ہوگی اور تجربہ یہ ہے کہ اگر جماعت کی پابندی نہ کی جائے تو اکثر نماز ہی کی پابندی مشکل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بہت سارے صحابۂ کرام کی موجودگی میں جماعت ہی سے تراویح پڑھنے کا فیصلہ ہو گیا تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے کی اسلامی حکومت کے تمام شہروں اور قصبات میں اعلان کرا دیا تھا کہ سب لوگ پابندی سے تراویح پڑھا کریں۔[2]

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۱۴، عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۳۵۵، نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۴

[2] العرف الشذی ص ۳۲۹ بحوالہ طبقات ابن سعد

ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ رمضان کے مبارک مہینے میں سستی اور کاہلی پاس نہ آنے دیں اور ہمت کرکے پابندی سے جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کریں۔ سال بھر تو عشاء پڑھ کر آرام سے سوتے ہی ہیں۔ اگر ایک مہینے جاگ ہی لئے تو کونسا مشکل کام ہے اور پھر وہ بھی تمام رات جاگنا نہیں بلکہ رات کا شاید چھٹا یا ساتواں حصہ بھی مشکل سے بیٹھتا ہے۔

تراویح کے ضروری مسائل

(۱) تراویح کا وقت عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور فجر تک رہتا ہے۔

(۲) وتر کی نماز تراویح سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں اور بعد میں بھی۔

(۳) رمضان میں وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ہی پڑھنی چاہیئے۔

(۴) تراویح کی بیس رکعتیں دو دو رکعت کرکے پڑھنی چاہئیں اور ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر ٹھہر کر آرام لے لینا مستحب ہے، اس درمیان میں اختیار ہے چاہے خاموش بیٹھے رہیں یا آہستہ آہستہ قرآن مجید اور تسبیح وغیرہ پڑھتے رہیں لیکن بیکار باتیں کرنا مکروہ ہے۔

(۵) پورے مہینے میں ایک قرآن شریف تراویح کے اندر پڑھ کر یا سُن کر ختم کرنا سنّت ہے اور دو مرتبہ افضل ہے اور اس سے زیادہ ہوں تو کیا کہنا، لیکن ایک سے زیادہ میں مقتدیوں کی سہولت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر مقتدیوں کو پریشانی ہو تو ایک ہی رہنے دیا جائے لیکن

اگر مقتدی ایک قرآن شریف سننے سے بھی ہمت ہاریں تو اس کی اجازت نہیں۔ کم از کم ایک تو ضرور ختم کرنا چاہیئے۔

(٦) بعض لوگ رکعت کے شروع میں تو بیٹھے رہتے ہیں اور رکوع میں شریک ہو جاتے ہیں، یہ مکروہ ہے۔ اس طرح تراویح کی نماز کے اندر قرآن شریف سننے کا ثواب نہیں ملتا۔ اس لئے شروع رکعت ہی سے شریک رہنا چاہیئے۔

(٧) اگر کسی کی تراویح ابھی کچھ باقی تھیں اور امام نے وتر کی نیت باندھ لی تو اُسے پہلے امام کے ساتھ وتر پڑھ کر پھر اپنی تراویح پوری کرنی چاہئیں۔

(٨) بغیر کسی مجبوری کے یونہی سستی اور کم ہمتی سے بیٹھ کر تراویح پڑھنا مکروہ ہے۔

(٩) تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنا اچھا نہیں۔

(١٠) تراویح پڑھنا اور تراویح میں ایک قرآن مجید ختم کرنا یہ دونوں الگ الگ سنتیں ہیں بعض لوگ قرآن پاک ختم کر کے تراویح سے آزاد ہو جاتے ہیں یہ غلط ہے۔ قرآن ختم ہونے سے تراویح ختم نہیں ہو جاتیں۔

ھدایت: یہاں تک پہنچنے کے بعد پیچھے گزرا ہوا عنوان "رمضان اور قرآن" پھر ایک بار دیکھ لیں۔

تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد کی دُعاء

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ	پاکی بیان کرتا ہوں میں ملک و بادشاہت والے
سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْهَیْبَةِ	خدا کی، پاک ہے عزت و بزرگی والا اور دبدبے
وَالْقُدْرَةِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ	اور قدرت و بڑائی اور غلبے والا پاک ہے وہ

سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ

بادشاہ جو زندہ ہے جو نہ سوتا ہے اور نہ مرتا ہے۔ بہت ہی زیادہ پاک ہے ہمارا اور فرشتوں اور روحوں کا پروردگار، اے اللہ! بچا ہم کو عذابِ جہنم سے اے بچانے والے اے بچانے والے اے بچانے والے۔

منجھلا روزہ

آج کل خدا جانے کہاں سے یہ رواج چل گیا ہے کہ رمضان المبارک کے چودھویں روزے کو (جسے منجھلا روزہ کہتے ہیں) کھانے پکانے اور افطاری تقسیم کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور اس روزے کا ثواب عام روزوں سے کچھ زیادہ سمجھتے ہیں شریعت میں جیسے رمضان کے اور روزے ہیں ویسا ہی یہ بھی ہے۔ اپنے پاس سے کسی عمل کا ثواب مقرر کر لینا غلط ہے۔

رمضان کے آخری دس دن

اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے اب اس مبارک مہینے کے بیس دن عبادتوں کے شوق میں کلام اللہ کی تلاوت، تسبیحات واذکار کی مشغولی میں غریبوں محتاجوں کی ہمدردی میں گزار دیئے۔ اب اس کا ایک آخری حصہ باقی ہے اور درحقیقت یہ حصہ پورے رمضان کی جان ہے۔ وہ ایک قیمتی رات جو ہزار مہینوں سے زیادہ اونچی ہے انھیں دس دنوں میں ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اس لئے یہ دس

دن بہت زیادہ قدر کرنے کے ہیں۔ شروع رمضان سے اب تک جو بھی کمی ہوئی ہو اس کے پورا کرنے کا بھی یہی موقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں تو پوری زندگی عمل ہی عمل اور آپ کا ہر قول و فعل قرآن کا نمونہ تھا لیکن رمضان میں بہت زیادہ اہتمام ہوتا تھا اور اس میں سے بھی یہ آخری دس دن تو انتہائی مشغولی اور دنیا کے تمام کاموں سے بالکل الگ تھلگ رہنے کے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل میں جتنی کوشش رمضان کے ان آخری دس دنوں میں کرتے تھے اور عبادات کا جو انہماک ان دنوں میں ہوتا تھا اتنا اور دنوں میں نہیں ہوتا تھا۔[1] حضرت عائشہ رضی کی ایک دوسری روایت ہے کہ :-

کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَہٗ وَاَحْیٰی لَیْلَہٗ وَاَیْقَظَ اَھْلَہٗ (رواہ البخاری ومسلم واحمد وابوداود والنسائی وابن ماجہ)[2]	جب رمضان کے آخری دس دن شروع ہوجاتے تو آپ کمر کس کر تیار ہوجاتے تھے اور راتوں کو خود بھی جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیویوں سے ملنا بھی چھوڑ دیتے تھے اور رات کا کھانا سحری کے ساتھ کھاتے تھے[3] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گھر کے چھوٹے بڑے جو بھی نماز پڑھ سکتے ہوں سب کو جگا کر نماز پڑھواتے تھے۔[4]

---

[1] ابن ماجہ ص۱۲۷ [2] عینی شرح بخاری ج۵ ص۳۴۷ نیل الاوطار ج۴ ص۲۸۵
[3] طبرانی فی الاوسط کمافی مجمع الزوائد ج۳ ص۱۷۴ [4] ایضاً

یہ قیمتی دن اور قیمتی راتیں دراصل کچھ کرنے کی ہوتی ہیں۔ خدا کے کتنے بندے ایسے بھی ہوں گے کہ جن کو ان دنوں کا ایک ایک منٹ ایک ایک مہینے کا کام دیتا ہوگا اور وہ تمنا کرتے ہوں گے کہ کاش یہ دن بڑھ کر ایک مہینہ ہی بن جائیں اور جب وہ اپنے مولائے کریم کے سامنے رات کی اندھیریوں میں سجدوں میں پڑے آنسو بہاتے ہوں گے تو دل چاہتا ہوگا کہ اب یہ رات ختم ہی نہ ہو ؎

شبِ وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جُدائی کا

اِعْتِکَاف

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھا رہوں تصورِ جاناں کئے ہوئے

روزے کے ذریعے انسان کی نفسانیت کو اعتدال پر لاکر اُسے شریعت کے تقاضے پورا کرنے کے لائق بنایا تھا۔ اب اس نے جب اس طریقے پر بیس دن گزار دیئے اور گویا روحانی غذا کا ایک نصاب (کورس) پورا ہوگیا تو اب خدائے پاک نے یہ چاہا کہ میرا بندہ میرے سوا تمام مخلوقات سے غیر ضروری میل جول ترک کرکے میرے ہی در پر آپڑے اور میرے سوا اس کو کسی سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رہے۔ روزے میں محبوب بیوی کو صرف دن دن کے لئے چھڑایا تھا۔ جب بندہ اس میں پورا اُترا تو اب دن رات اس سے الگ کرکے اس کی تمام تنہائیاں اپنے لئے مخصوص کرلیں اور فرما دیا کہ کھاتا پیتا لیٹنا سونا سب

ہمارے ہی در پہ گرد اور ہماری جو یاد اب تک دنیا کے کام دھندوں میں لگ کر کرتے تھے اب وہ سب سے الگ تھلگ ہمارے عبادت خانے ہی میں ہوا کرے گی تاکہ دنیا کے گندے ماحول سے یکسو ہو کر دل و دماغ میں ہماری محبت خوب رچ بس جائے اور تمہارے دل کی دنیا پر اب حکومت رہے تو صرف ایک اللہ واحد و قہار کی۔

اعتکاف کی رُوح

چنانچہ حافظ ابنِ قیّمؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اعتکاف کی روح دل کا اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا اور مخلوق سے الگ ہو کر صرف ایک خدا کی یاد میں مشغول و منہمک ہو جانا ہے اسی کی سوچ و فکر یہی تذکرے اسی کی بات چیت یہاں تک کہ انسان کے دل و دماغ پر خدا ہی کا تصور چھا جائے اور اسی کی یاد دل میں سما جائے اور بجائے مخلوق کے خالق ہی سے دل لگنے لگے[1] ؎

تمنا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد اُن کی دل نشیں ہوتی (مجذوبؒ)

جس مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہو اس میں عبادت کی نیت سے بیٹھے رہنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ عورتیں اپنے گھر میں جہاں نماز پڑھتی ہوں وہیں پر اعتکاف کر لیا کریں اور اگر نماز کی کوئی خاص جگہ اب تک مقرر نہیں ہے تو اب مقرر کر لیں۔

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۷۸

حکمت اگر صرف یوں کہہ دیا جاتا کہ بالکل ایک طرف ایسی جگہ پر دس دن گزارو کہ جہاں پرندہ پر نہ مار سکے تو ظاہر ہے کہ تنہائی و یکسوئی زیادہ ملتی لیکن کیا فائدہ ایسی تنہائی سے کہ انسان بجائے انسان کے ایک وحشی جانور بن جائے اور بُری صحبتوں سے بچنے کے شوق میں اچھی صحبتوں سے بھی محروم ہو جائے ۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا اپنا مذہب چھوڑ کر
میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا (مومنؔ)

اس لئے خدائے حکیم نے اعتکاف کے لئے مسجد کو مقرر فرمایا کیونکہ بیہودہ اور غلط قسم کے لوگ تو مسجد میں آئیں گے نہیں جن کی صحبت مضر ہو۔ ہمیشہ نمازی پرہیزگار اور تہجد گزار لوگوں ہی سے سابقہ پڑے گا انہیں سے میل جول بات چیت ہو گی جن کی صحبت بیحد مفید اور کارآمد ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایسی مسجد کا حکم دیا کہ جہاں پانچوں وقت نماز ہوتی ہو کیونکہ اگر کسی ایسی ویران مسجد میں اعتکاف کیا جائے آدمی کا نام و نشان نہ ہو اور تالا پڑا رہتا ہو تو فائدے سے زیادہ نقصان ہو گیا۔ نہ جماعت کی نماز ملے گی اور نہ نیک صحبتیں میسر آئیں گی۔

اعتکاف کا ثواب

اگر خالص اللہ کو راضی کرنے کے لئے اعتکاف کیا جائے تو بہت اونچی اور عظیم الشان عبادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ امام زہری رحؒ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے کام

کبھی کرتے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے لیکن جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے اخیر زندگی تک کبھی بھی (رمضان کے آخری دس دنوں کا) اعتکاف نہیں چھوڑا لیکن حیرت ہے کہ لوگ اس کی پوری طرح پابندی نہیں کرتے ہیں[1]

اعتکاف کرنے والے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

(۱) هُوَ يَعْكِفُ[2] الذُّنُوْبَ وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (رواہ ابن ماجۃ[3] عن ابن عباسؓ)

اعتکاف کرنیوالا گناہوں سے بچا رہتا ہے اور اس کیلئے (بغیر کئے بھی) اتنی ہی نیکیاں لکھی جاتی ہیں جتنی کرنے والے کیلئے لکھی جاتی ہیں۔

تشریح:۔اس حدیث میں اعتکاف کے دو بڑے اہم فائدے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ آدمی گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ظاہر ہے کہ آدمی جہاں بھی بیٹھتا ہے ہر طرح کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے اور دنیا بھر کے قصے، قضیے، جھوٹ سچ، غیبت، بہتان ضرور ہوتا ہے بچتے بچتے بھی آدمی اپنے ماحول کے اثرات سے بہت کم محفوظ رہتا ہے لیکن مسجد میں بیٹھ کر آدمی ان تمام جھگڑوں سے بچ جاتا ہے۔

(۲) دوسری بڑی پتے کی بات یہ ہاتھ لگی کہ بہت سی نیکیوں کا ثواب بغیر کئے بھی مفت میں مل جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ خدائے پاک دینے کے لئے بہانے ڈھونڈتا ہے کہ کوئی بہانہ مل جائے تو اپنے بندے کو نواز دوں۔معلوم ایسا ہوتا ہے کہ

---

[1] عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۱۴۱، و مراقی الفلاح بشرح الطحطاوی ص ۳۸۶

[2] ہکذا فی سنن ابن ماجۃ و فی المشکوۃ من ابن ماجۃ "یعتکف" بالتاء بعد العین واللہ اعلم

[3] سنن ابن ماجہ ص ۱۲۸

خدا نے دینے کا تو فیصلہ کر رکھا ہے لیکن کسی نہ کسی بہانے سے دینا چاہتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ آپ کے بچے سے کوئی غلطی ہو گئی۔ آپ کو پتہ لگا۔ آپ نے سزا میں کہہ دیا کہ آج دوپہر کو تجھے کھانا نہیں دیں گے۔ اب جو دوپہر کا وقت ہوا اور آپ کے سامنے کھانا رکھا گیا تو آپ نے کھانا شروع کیا لیکن نوالہ منہ میں کو مل نہیں رہا اور بار بار خیال آتا ہے کہ منے کو بلا لوں، لیکن معافی مانگے بغیر کھانا دینا بھی ٹھیک نہیں۔ اُدھر منے کی بھولی بھالی صورت مارے بھوک کے پھول کی طرح کمھلائی جاتی ہے اور اِدھر آپ کا اُسے دیکھ دیکھ کر کلیجہ پھٹا جاتا ہے اور آپ بار بار پوچھتے ہیں کہ "آئندہ تو نہیں کرو گے"؟ "آئندہ تو نہیں کرو گے؟" اور انتظار یہ ہے کہ ابھی اُس کے ہونٹوں سے "جی نہیں" نکلے تو فوراً اُٹھا کر گود میں بٹھا لوں۔ خدائے پاک کی قسم! خدا اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے لیکن کوئی اس شفقت و کرم کے لائق تو ہو۔

اعتکاف کرنے والا چونکہ بہت سے نیک کام صرف اس وجہ سے نہیں کر سکتا کہ وہ مسجد میں گھر گیا ہے، تو کہیں بندہ یہ نہ سوچنے لگے کہ اچھا اعتکاف کیا سیکڑوں عبادتوں اور اچھے کاموں سے رہ گئے اس لئے خدائے کریم نے بغیر کئے ہی یہ سب ثواب اس کے لئے طے کر دیئے۔ کیا اچھا موقع ہے بھو سکتا تھا کہ آدمی اگر اعتکاف نہ کرتا تو اتنی نیکیاں کر بھی نہ سکتا لیکن اب اعتکاف کی بدولت اس کو یہ ثواب بھی مل رہا ہے۔

(۲) اِعْتِکَافُ عَشْرٍ فِیْ رَمَضَانَ کَحَجَّتَیْنِ وَعُمْرَتَیْنِ (رواہ البیہقی والطبرانی عن الحسین بن علی رضی اللہ عنہ)[1]

رمضان کے (آخری) دس دنوں کے اعتکاف کا ثواب دو حج اور دو عمروں کے برابر ہے۔

---

[1] السراج المنیر ج ۱ ص ۲۲۰ والترغیب ج ۲ ص ۱۴۹

تشریح :۔ قدر کرنے والوں کی ضرورت ہے، اگر کسی کام میں دنیا کا اتنا نفع تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی ہم کو نظر آتا تو ہم خون پسینہ ایک کر کے کسی نہ کسی طرح اسے حاصل کرتے لیکن دین کے کاموں کی ہمارے دلوں میں کوئی قدر ہی نہیں اس لئے بڑے سے بڑا نفع سُن کر بھی ہمارے کانوں پر جُوں نہیں رینگتی، ایک لمبی حدیث کا خلاصہ ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے ایک دن کا اعتکاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ جہنم کو اس سے زمین و آسمان کے فاصلے سے تین گنا دُور کر دیتے ہیں[1] یعنی جہنم سے اس کا گویا کوئی واسطہ ہی نہیں باقی رہتا، لیکن ہم میں سے کتنے ہوں گے کہ جن کے دل میں یہ تمام فائدے اور اجر و ثواب سن کر بھی کبھی اعتکاف کا شوق نہیں پیدا ہوتا۔

کم سے کم اس ثواب کے حاصل کرنے کا ایک بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ پانچوں وقت جب نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوں تو اعتکاف کی نیت کر لیا کریں جب تک مسجد میں رہیں گے اگر بالکل خاموش بھی بیٹھے رہے تب بھی اعتکاف کا ثواب ملتا رہیگا اور اگر قرآن مجید یا تسبیحات وغیرہ بھی پڑھتے رہے تو اس کا ثواب الگ ملے گا۔

اعتکاف کی حکمتیں اور فائدے

اعتکاف بہ حکم شرعی ہونے کی وجہ سے جس قدر فائدے اور حکمتیں ہوں کم ہے۔ یہاں مختصراً چند حکمتیں اور فائدے لکھے جاتے ہیں:۔

(۱) اعتکاف میں انسان کو یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور دل دنیا کی فکروں سے خالی

---

[1] رواہ الطبرانی فی الاوسط والبیہقی والحاکم من ابن عباس کما فی الترغیب ج۲ ص۱۵۰

ہو جاتا ہے۔ انسان کی توجّہ خدا سے ہٹانے والی چیزیں چاہے وہ انسان کے اپنے اندر ہوں یا باہر، جب انسان تنہائی میں رہے گا آہستہ آہستہ سب ختم ہو جائیں گی اور دل پوری طرح دنیا کے خیالات سے فارغ ہو کر اللہ کی طرف متوجّہ ہو جائے گا اور اس میں عبادتوں کے انوار و برکات حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔

(۲) لوگوں سے ملنے جلنے اور کاروبار کی مشغولیوں میں جو انسان سے چھوٹے موٹے بہت سے گناہ ہو جاتے ہیں اعتکاف میں ان سے حفاظت رہتی ہے۔

(۳) خدائے پاک فرماتا ہے کہ "جو شخص مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس سے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے میں دوڑ کر اُسے اپنا لیتا ہوں[۱]" اور اعتکاف کرنے والا تو اپنا گھر در چھوڑ کر صرف قریب ہی نہیں بلکہ خدا کے در پہ آکر پڑ جاتا ہے، تو اب آپ اندازہ لگائیے کہ خدائے پاک کتنا قریب ہوگا اور اس پر کتنا زیادہ مہربان ہوگا۔

(۴) شریف لوگ اپنے گھر پر آئے ہوئے مہمان کی عزّت اور خاطر تواضع کیا کرتے ہیں تو کریموں کا کریم اور داتاؤں کا داتا اپنے گھر پر آئے ہوئے مہمان کی کیا کچھ نہ عزّت و اکرام کرے گا۔

(۵) شیطان انسان کا قدیمی دشمن ہے لیکن جب انسان خدا کے گھر میں ہے تو گویا مضبوط قلعے میں ہے شیطان اب اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

---

[۱] بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ۔ترغیب جلد ۲ صـ۳۹۲

(۶) فرشتے ہر وقت خدا کی عبادت اور اس کی یاد میں لگے رہتے ہیں، مومن بندہ بھی اعتکاف میں بیٹھ کر ہر وقت خدا کی یاد میں ہے اور فرشتوں سے مشابہت پیدا کر رہا ہے اور فرشتے چونکہ اللہ کے بہت قریب ہیں اس لئے یہ بندہ بھی اللہ کا قُرب اور اُس کی نزدیکی حاصل کر رہا ہے۔

(۷) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی نماز کے انتظار میں رہتا ہے اُسے نماز ہی کا ثواب ملتا رہتا ہے[۱] اعتکاف میں یہ ثواب بھی حاصل ہوتا ہے

(۸) جب تک آدمی اعتکاف میں رہتا ہے اُسے عبادت کا ثواب ملتا رہتا ہے خواہ وہ خاموش بیٹھا رہے یا سوتا رہے یا اپنے کسی اور کام میں مشغول رہے۔

(۹) جب مُعتَکِف (اعتکاف کرنے والے) کا ہر ہر منٹ عبادت میں ہے تو شبِ قدر حاصل کرنے کا بھی اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کیونکہ جب بھی شبِ قدر آئے گی یہ بہر حال عبادت میں ہوگا۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) واجب (۲) سنّتِ مؤکدہ (۳) نفل

(۱) **واجب:۔** اگر کسی نے منّت مانی کہ میں اللہ کے لئے تین دن کا اعتکاف کروں گا یا یہ کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اللہ کے لئے دو دن کا اعتکاف کروں گا تو یہ اعتکاف کرنا واجب ہوگیا اور اس کے ساتھ خود بخود روزہ بھی واجب ہوگیا کیونکہ واجب اعتکاف بغیر روزے کے نہیں ہوتا۔ لہٰذا جتنے دن

---

[۱] بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص۶۸

کا اعتکاف ہوگا اتنے ہی دن کے روزے بھی رکھے جائیں گے۔

(۲) سُنّتِ مؤکّدہ :- رمضان شریف کے آخری دس دن کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے۔ بیس تاریخ کی شام کو سورج چھپنے کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور عید کا چاند چاہے انتیس کا ہو یا تیس کا چاند ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ اعتکاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ بڑی پابندی سے کیا ہے۔

یہ اعتکاف "سنت مؤکدہ علی الکفایہ" ہے یعنی محلہ، بستی میں سے بعض لوگوں کے کر لینے سے سب کے ذمّے سے ادا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بھی نہ کرے تو سب کے اوپر اس کا وبال ہوگا۔

(۳) نفل :- اوپر والے دو اعتکافوں کے سوا باقی سب اعتکاف نفل ہیں اُن کا نہ کوئی وقت مقرر ہے کہ کب ہوں اور نہ مقدار کہ کتنی مدت تک، زیادہ سے زیادہ تو جتنا کسی کی ہمت ہو اور کم سے کم ایک گھنٹہ ایک منٹ بلکہ ایک سکنڈ کا بھی ہو سکتا ہے[1]۔

اعتکاف کی شرطیں

(۱) مسلمان ہونا (۲) غسلِ واجب سے پاک ہونا۔ (۳) ماہواری اور زچگی کے خون سے پاک ہونا۔ (۴) پاگل نہ ہونا (۵) اعتکاف کی نیت کرنا (۶) جس مسجد میں اعتکاف کیا ہے اس میں پانچوں وقت نماز باجماعت ہونا۔

---

[1] اقلہ نفلاً ساعۃ والساعۃ فی عرف الفقہاء جزء من الزمان لاجزء من اربع وعشرین کما یقول المنجمون ــــ درمختار ص۱۶۲ (مطبوعہ الہند)

یہ باتیں ہر قسم کے اعتکاف میں ضروری ہیں اور اعتکاف واجب میں روزہ بھی ضروری ہے

معتکف کے لئے اچھی باتیں

معتکف کے لئے یہ باتیں مستحب اور پسندیدہ ہیں (۱) قرآن شریف پڑھنا (۲) درود شریف، استغفار و تسبیحات میں مشغول رہنا (۳) اچھی باتیں کرنا، انھیں کا سیکھنا سکھانا، دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا، سننا، سنانا (۴) وعظ و نصیحت کرنا (۵) جامع مسجد میں اعتکاف کرنا۔

اعتکاف کب؟ اور کتنا؟

(۱) اعتکاف واجب کے لئے چونکہ روزہ بھی ضروری ہے اس لئے وہ ایک دن سے کم کا نہیں ہو سکتا۔ (۲) اعتکاف سنت اوپر معلوم ہو چکا کہ رمضان کے آخری دس دنوں میں ہوتا ہے (۳) اعتکاف مستحب یعنی نفلی اعتکاف کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں جیسا کہ اوپر آچکا ہے۔

اعتکاف میں کیا کیا کام جائز ہیں

اعتکاف کے اندر اصل تو یہ ہے کہ انسان چوبیس گھنٹے مسجد ہی میں رہے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے مسجد سے باہر بھی جانا پڑتا ہے۔ یہ مجبوریاں ——————

(۱) یا تو انسان کی اپنی ضرورتیں ہیں جیسے :-

△ پیشاب پاخانہ △ ناپاکی کا غسل

(۲) یا شریعت کی بتائی ہوئی ضرورتیں ہیں جیسے ——————

△ جس مسجد میں اعتکاف کیا ہے اگر اس میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو جمعہ کے لئے دوسری مسجد میں جانا۔ لیکن خطبے کے وقت سے صرف اتنی دیر پہلے جا سکتا ہے

کہ مسجد میں پہنچ کر چار سنتیں پڑھ سکے۔
∆ مسجد سے باہر اذان کہنے کے لئے اذان کی جگہ پر جا سکتا ہے۔
∆ اگر اعتکاف کی نیّت کرتے وقت شروع ہی میں یہ نیت کر لی تھی کہ نمازِ جنازہ یا کسی کی عیادت کے لئے باہر نکلوں گا تو ان کے لئے بھی باہر نکل سکتا ہے۔

ان کے علاوہ باقی جو چھوٹی موٹی انسانی ضرورتیں ہیں جیسے کھانا پینا، سونا کوئی ضرورت کی چیز خریدنا بشرطیکہ خریدتے وقت وہ چیز مسجد کے اندر نہ ہو۔ یہ ضرورتیں مسجد ہی میں پوری ہوں گی۔

مسئلہ:۔ اگر پیشاب یا خانے کے لئے مسجد کے قریب کوئی انتظام نہ ہو تو اپنے مکان تک جا سکتا ہے چاہے وہ کتنی ہی دُور ہو لیکن اگر قریب میں کوئی جگہ موجود ہو تو دُور جانا جائز نہیں۔

یہ باتیں اعتکاف میں مکروہ ہیں

(۱) چُپ چاپ گُم صُم بیٹھے رہنا اور اسے کوئی اچھی بات سمجھنا۔ آجکل بعض ناواقف لوگ اعتکاف میں چُپ بیٹھنا بھی کچھ ثواب کی بات سمجھتے ہیں۔
(۲) لڑائی جھگڑا، شور شغب کرنا اور بیہودہ، واہیات باتیں کرنا۔
(۳) بیچنے، خریدنے کے لئے کوئی چیز مسجد کے اندر لانا۔

اِن باتوں سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے

آجکل دین کی باتوں سے بے خبری کا یہ عالم ہے کہ اعتکاف والوں سے

کہیں کہیں مسجدیں بھری ہوئی تو مل سکتی ہیں لیکن اگر پتہ چلایا جائے گا تو صرف دو چار ہی کا اعتکاف صحیح سلامت ملے گا باقی اکثر ایسے ہوں گے جن کا پہلے ہی دن ٹوٹ چکا ہوگا۔ اب دھیان سے سُن لو۔ اِن باتوں میں سے کوئی ایک بھی ہوگی تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(۱) جن ضرورتوں کا اوپر بیان ہوا ان کے علاوہ چاہے جان بُوجھ کر نکلے یا بھُول کر اور تھوڑی دیر کے لئے نکلے یا زیادہ دیر کے لئے باہر جانے ہی اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(۲) اعتکاف کی حالت میں صحبت کرنا۔

(۳) جن ضرورتوں کے لئے نکلنا جائز ہے ان کے لئے نکل کر ضرورت سے زیادہ باہر ٹھہرنا۔

(۴) بیماری یا کسی اچانک خطرے کی وجہ سے باہر نکل جانا۔ مثلاً آگ لگ گئی یا چھت گرنے لگی تو نکل تو ضرور جانا چاہیئے لیکن اعتکاف ختم ہوگیا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی وجہ سے اعتکاف ٹوٹ گیا تو اعتکافِ واجب کی تو قضا واجب ہے سنت اور نفل کی قضا واجب نہیں لیکن اگر اعتکافِ سنّت کی قضا کرلے تو اچھا ہے۔

یاد رکھیئے! جب اعتکاف کرنا ہو تو پہلے مسجد کے متولّی یا امام صاحب یا محلہ کے کسی عالمِ دین سے یہ معلوم کرلیں کہ اصل شرعی مسجد کہاں تک ہے۔ بس جو حصّہ اصل مسجد سے باہر ہو وہاں نہ جائیں، کیونکہ مسجد ہمیشہ سب سے باہر کے دروازے تک ہی نہیں ہوتی۔ مسجد کا احاطہ اور چیز ہے اور جس کو شریعت میں مسجد کہتے ہیں وہ اور، خوب سمجھ لو۔

مسئلہ:۔ اگر پیشاب کے لئے نکلا تھا اور کسی مریض کی عیادت بھی کرتا آیا یا اتفاق سے کوئی جنازہ آگیا تھا اس کی نماز میں بھی شرکت کرلی تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر انہیں کی نیت سے نکلا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا[1]

ایک غلط فہمی بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اعتکاف کرنے والا جب کسی ضرورت سے باہر نکلے تو اُسے بات چیت کرنا جائز نہیں یہ غلط ہے۔ چلتے چلتے بات چیت کرنا جائز ہے۔ ہاں! بات چیت کے لئے یا کسی اور کام کے لئے ٹھہرنا جائز نہیں۔

شب قدر

اللہ ربّ العزت نے دنیا میں جتنی بھی قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے ہر قسم کے اندر کوئی نہ کوئی ایک چیز اپنی قسم کی تمام چیزوں سے بہتر واعلیٰ ہوتی ہے۔ نبیوں میں سب نبیوں کے سردار ہمارے آقا و مولیٰ سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ امتوں میں آپؐ کی اُمت سب اُمتوں سے بہتر، آپؐ کے دوستوں میں سب سے افضل صدیق اکبر رضی اللہ عنہم آسمانی کتابوں میں سب سے اونچی کتاب قرآن مجید، شہروں میں مرتبے کے لحاظ سے سب سے اونچا مکہ معظمہ اور مسجدوں میں سب سے اشرف مسجدِ حرام (بیت اللہ شریف کی مسجد) ہے۔ اسی طرح سال کے بارہ مہینوں میں سب سے زیادہ برکتوں کا مہینہ رمضان شریف اور دنوں میں

---

[1] طحطاوی علی المراقی ص۳۸۳ عن البحر

سب سے اونچا دن جمعہ اور راتوں میں سب سے اشرف و بلند مرتبے والی رات "شبِ قدر" ہے۔

پہلی اُمتوں کی عمریں بڑی لمبی لمبی ہوتی تھیں اس لئے انھیں عبادت کا بھی خوب موقع ملتا تھا لیکن اِس اُمت کی عمریں ساٹھ ستر اور سو سے آگے نہیں بڑھتیں اس لئے یہ اگر زیادہ عبادت کرنا چاہیں تو کیسے کریں ؟ اس لئے خدائے پاک نے اپنی رحمت سے اِس اُمّت کے لئے ایک رات ایسی دیدی کہ اگر ہم اس میں عبادت کرلیں تو ان لمبی لمبی عمر والوں سے بھی کہیں زیادہ کما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ یعنی شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ ہزار مہینوں تک عبادت کرنے کا جتنا ثواب ہے اس سے زیادہ شبِ قدر کی عبادت کا ہے۔ اور کتنا زیادہ ہے ؟ یہ خدا ہی جانے، جسے خدائے رب العالمین احکم الحاکمین زیادہ فرمائے اس کی زیادتی کا کیا ٹھکانا۔ بڑے لوگ تھوڑی بہت بڑائی کو کوئی بڑائی نہیں سمجھا کرتے، جس کی نظر اونچی ہوتی ہے وہ بہت اونچی چیز ہی کو اونچی مانا کرتا ہے۔ ہزار مہینوں کے تراسی سال چار مہینے ہوتے ہیں تو جس نے شبِ قدر میں عبادت کرلی اس نے گویا تراسی سال سے بھی زیادہ عبادت کرلی۔

لیکن میرے والد[1] صاحب مدظلہٗ ایک اور بات فرمایا کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ عربوں کے یہاں اُس زمانے میں ہزار سے آگے گنتی نہ تھی اور آج تک

---

[1] حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب میرٹھی ثم دہلوی مدظلہٗ

بھی دس لاکھ (ملیون۔ جو انگریزی کے ملین MILLION سے لیا گیا ہے) سے آگے ان کے پاس کوئی لفظ نہیں اور قرآن مجید چونکہ انھیں کی زبان اور انھیں کے محاورات کے مطابق اترا ہے لہٰذا ان کے سامنے ہزار سے زیادہ کا کوئی لفظ بولا کیسے جا سکتا تھا اس لئے ان کی آخری گنتی کا لفظ بول کر آگے خدائے تعالیٰ نے صرف اتنا فرما دیا کہ "اس سے بھی زیادہ" اب اس سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ کروڑ بھی اسی میں آگیا اور ارب اور کھرب اور نیل اور سنکھ مہا سنکھ سب اسی میں آگئے تو گویا شب قدر کی فضیلت کی کوئی حد نہیں ہے۔

شب قدر کی فضیلت

شب قدر کی فضیلت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں کوئی ایک دو آیت نہیں بلکہ پوری ایک سورت اسی کی تعریف میں اتاری، فرماتے ہیں:۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ‌ۚ	بلاشبہ ہم نے قرآن مجید کو (لوح محفوظ سے) شب
وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِؕ	قدر میں اتارا ہے اور (اے آپ کو لے محمد صلی اللہ علیہ
لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ	وسلم) کچھ خبر بھی ہے کہ شب قدر کیا چیز ہے؟
شَهۡرٍؕ‏ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ	(لیجئے سنیئے) شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر
وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌	ہے۔ اس رات میں بہت سے فرشتے اور خاص طور
مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ سَلٰمٌ ۛهِىَ حَتّٰى	پر، جبریل امین اترتے ہیں اور اپنے رب کے حکم سے
مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ سورۃ القدر ۹۷)	ہر بھلائی اور خوبی لے کر آتے ہیں۔ یہ پوری رات

صبح تک امن ہی امن اور سلامتی ہی سلامتی ہے۔ (پارہ عم یتساءلون)

تفسیر:۔ خدائے تعالیٰ نے سب سے پہلے تو اس رات کی ایک بہت اہم فضیلت یہ بیان فرمائی کہ اس رات میں خدائے رب العالمین کا کلام پاک نازل ہوا جو قیامت تک آنے والے دنیا کے تمام انسانوں کی دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی اور امن وسلامتی کا ضامن[1] ہے۔ پھر خدائے پاک نے اس رات کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا "اور خبر بھی ہے کہ یہ کیسی بڑی دولت ہے" اس رات میں آسمان کی پاکیزہ مخلوق یعنی فرشتے زمین پر اُترتے ہیں۔ اوّل تو اُن کا زمین پر اُترنا ہی دنیا والوں کے لئے رحمت وبرکت کا سبب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر قسم کی بھلائی وعافیت بھی لے کر آتے ہیں اور رات بھر یہ رحمت وبرکت اور سکون وچین تقسیم ہوتا رہتا ہے۔ وقت کی قدر کرنے والے خوب لوٹتے ہیں اور غافل، سست اور نکمّے اور پھسڈّی لوگ یہاں بھی محروم ہی رہتے ہیں۔

اِس رات کی فضیلت معلوم کرنے کے لئے اگرچہ قرآن کریم کی ایک مستقل سورت بہت کافی ہے؛ لیکن نمونے کے طور پر دو حدیثیں بھی لکھی جاتی ہیں:۔

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ	حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ	اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص شب قدر
وسلم مَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا	میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے عبادت

---

[1] یہاں تک پہنچنے کے بعد پھر ایکبار مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ خط دیکھ لیجئے جو رمضان اور قرآن میں نقل ہوا ہے منہ۔

وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (رواہ البخاری ومسلم[۱] وعند احمد عن عبادۃ بن الصامت وَمَا تَأَخَّرَ[۲]) کرے اس کے پہلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

تشریح:۔ اگر دنیا کے کاروباری کو یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں مہینے میں ہمارے قریبی شہر میں ایک میلہ لگنے والا ہے جس میں اتنی آمدنی ہوگی کہ ایک روپیہ کے دس روپے بن جائیں گے اور سال بھر پھر کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی تو بتاؤ کون بیوقوف ہے جو اس بہترین موقع کو کھودے گا؟ اگر بتانے والے نے تاریخ نہ بھی بتائی ہوگی تو کسی نہ کسی طرح وہ تاریخ کا پتہ لگائے گا اور اگر شبہ رہ جائے گا تو احتیاطاً کئی دن پہلے اس جگہ پر پہنچ جائے گا۔

اب ایک موقع نیکیوں کے میلے کا بھی مومنوں کو دیا جارہا ہے مگر اتنی بات ہے کہ مہینہ تو بتادیا اور یہ بھی بتادیا کہ اس مہینے کے آخری تہائی حصہ میں ہے لیکن تاریخ گول مول رکھی کہ دیکھیں نیکیوں کے شوقین اور خدا کی محبت اور اس کے محبوب رسولؐ کی اُلفت کا دم بھرنے والے کیا کچھ کرکے دکھاتے ہیں اور جس نبی پاک نے اس رات کی تلاش میں پورے پورے مہینے کا اعتکاف کیا ہے۔ اس کے چاہنے والے کے دن اپنی راحت وآرام قربان کرتے ہیں ~

---

[۱] الترغیب ج۲ ص۹۰ [۲] تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۵۳۱ وحسن اسنادہ الحافظ المنذری فی الترغیب ورواہ النسائی عن ابی ھریرۃ من روایۃ قتیبۃ بن سعید قال المنذری ھو ثقۃ ثبت واسنادہ علی شرط الصحیح۔

دعوٰیٔ اُلفتِ احمد تو سبھی کرتے ہیں
کوئی نکلے تو سہی رنج اُٹھانے والا

بدنصیب کون؟

دنیا والوں کی نظر میں تو سب سے بڑا بے وقوف اور نادان وہی ہے جو کمائی کا سیزن یونہی گنوا دے اور ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا رہے لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سب سے بڑا بدنصیب اور محرومِ قسمت وہ ہے جو نیکیوں کا بہترین موقع ضائع کردے اور کچھ نہ کر سکے۔ ارشادِ عالی ہے:۔

(۲) عن انس بن مالك قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا مَحْرُوْمٌ۔ (رواہ ابن ماجہ)[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار جب رمضان کا مہینہ آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اوپر یہ مہینہ آچکا ہے جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ جو اس رات سے محروم رہ گیا وہ گویا ساری ہی بھلائی سے محروم رہا اور اس کی بھلائی سے وہی محروم رہتا ہے جو واقعی محروم ہی ہو۔

ایمان کی کمی اور نیکیوں کی قیمت سے بے خبری اور بے توجہی کی بات ہے ورنہ کیا دنیا میں رات بھر جاگنے والوں کی کمی ہے؟ کیا رات بھر لوگ کھڑے نہیں رہتے؟ کیا اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے مسلسل مشین کے پرزوں کی طرح کھانا پینا بھلا کر لوگ کام میں جٹے نہیں رہتے؟ مگر رونا تو یہ ہے کہ خدا کے لئے کون جاگے موت

---

[1] ابن ماجہ صفحہ ۱۲۰

سے پہلے کی تیاری تو سب کر رہے ہیں مگر موت کے بعد کی تیاری کون کرے؟۔ بس جسے مرنا ہوگا وہ اس کی تیاری بھی کرے گا اور جو نہیں کرتا اس کی محرومی میں شک ہی کیا ہے۔ اگر ساٹھ ستر برس کی زندگی کے لئے انسان مارا مارا پھرتا ہے اور رات دن ایک کر دیتا ہے تو لاکھوں کروڑوں برس نہیں بلکہ بے حد وبے شمار زندگی کے لئے کیا کچھ نہ کر ڈالنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی تلاش میں پہلے شروع رمضان کے دس دن کا اعتکاف کیا پھر دس دن کا اور کیا جب بیس دن میں بھی شب قدر نہ ملی تو پھر آخری دس دن کا کیا[1] اور پھر ہمیشہ انھیں دس دن کا اعتکاف کرتے رہے۔

شبِ قدر کس تاریخ کو ہے؟

جو چیز جتنی قیمتی اور اہم ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ محنت سے حاصل ہوتی ہے تو شبِ قدر جیسی قیمتی دولت بھلا بغیر محنت کے کیسے ہاتھ لگ سکتی تھی، اس لئے اِس کی تاریخ گول مول رکھی گئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:۔

عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرًا لَّکُمْ[2] کیا خبر ہے تاریخ کا پتہ نہ دینے ہی میں تمہاری بھلائی ہو مطلب اس کا صاف ہے کہ اگر تاریخ معلوم ہو جاتی تو اس کی اتنی قدر نہ ہوتی۔ اور معلوم ہوتے ہوئے پھر اس کی نا قدری کرنا سخت بدنصیبی اور محرومی کی بات تھی اور اب بہت سی راتوں میں صرف اسی خیال سے کچھ عبادت ہو جاتی ہے کہ شاید یہی

---

[1] مشکوٰۃ صہ ۱۸۲ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ [2] تفسیر ابن کثیر ج ۴ صہ ۵۳۴

شبِ قدر ہو۔ مشہور مفسر حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہی ہے کہ اس کے شوقین پورے رمضان عبادتوں کا اہتمام کریں گے[1]۔

جن بزرگوں نے اس کی تلاش وجستجو کی ہے انھوں نے اُسے مختلف تاریخوں میں پایا ہے۔ بعض نے رمضان کے علاوہ سادہ دنوں ہی میں پایا لیکن وہ ایک اتفاقی بات ہے۔ حدیثوں میں رمضان المبارک ہی میں بتائی گئی ہے[2]۔ بہتر تو یہ ہے کہ پورا رمضان تمام رات عبادتوں میں گزرے، لیکن اگر اس کی ہمت نہ ہو تو اخیر کے دس دن کا اہتمام کرنا چاہیئے اور بہترین ترکیب یہ ہے کہ ان دس دنوں کا اعتکاف کر لیا جائے تاکہ اگر سوتے ہوئے بھی گزر جائے تب بھی ثواب سے خالی نہ گزرے۔ اس طریقے سے اعتکاف کی بھی ایک اہم سُنّت ادا ہو جائے گی اور شبِ قدر بھی ہاتھ لگ جائے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ	سرکارِ عالی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبِ قدر رمضان کے آخری دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔

(رواہ البخاری[3])

تشریح:۔ طاق راتوں سے مراد اکیسویں[21]، تیئیسویں[23]، پچیسویں[25]، ستائیسویں[27] اور انتیسویں[29] راتیں ہیں۔ انھیں راتوں میں سے کسی نہ کسی میں شبِ قدر ملنے کی پوری

---

[1] ابن کثیر ص۵۳۴ [2] نیل الاوطار ج۴ ص۲۸۷ [3] مشکوٰۃ ص۱۸۱

اُمید ہے۔ اِن پانچ راتوں کو جاگ کر گزار دینا کچھ مشکل کام نہیں ہے لیکن اگر اتنی ہمت نہ ہو تو ستائیسویں کو جاگ لے، کیونکہ شب قدر ہونے کی سب سے زیادہ اُمید اسی رات میں ہے اور اگر کوئی اور ہمت کرے تو اکیسویں اور تیئیسویں بھی اس کے ساتھ ملا لے۔ اور حضرت اُبیؓ بن کعبؓ نے جو قسم کھا کر فرمایا ہے کہ وہ رات ستائیسویں ہی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب وہ رات طے ہو گئی بلکہ ہو سکتا ہے کہ انھیں وہ ستائیس ہی کو ملی ہو کیونکہ وہ ان دس دنوں میں گھومتی رہتی ہے۔ ہاں بعض روایتوں کی وجہ سے اس میں اُمید اور راتوں سے زیادہ ہے۔

ناچیز مؤلف کی رائے اس سلسلے میں یہ ہے کہ شب قدر کے بارے میں یقینی طور پر تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ فلاں تاریخ ہی کو ہے۔ البتہ اکثر علماء کے فرمان کی وجہ سے ستائیسویں راجح ہے اور اس کے بعد سب سے زیادہ امید اکیسویں کو ہے۔ خود میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ اس کی نشانیاں اکیسویں رات میں پائی ہیں۔

حکمت اگر مسلسل دس رات جاگنے کا حکم دے دیا جاتا یا پانچ ہی راتوں کے اگر مسلسل جاگنے کا حکم ہوتا تو بہت سے لوگ اس کی ہمت نہ کرتے اور بعض اگر کر بھی لیتے تو تندرستی پر اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے خدائے پاک نے طاق راتوں میں شب قدر بنا کر ان راتوں کو ایسے عجیب طریقے پر تقسیم کر دیا کہ ایک رات جاگ لیں تو دوسری کو سو لیں۔ اس طرح راتوں کا جاگنا بھی ہو جائے اور تندرستی پر بھی کوئی اثر نہ پڑے۔

علامہ ابنُ الْمُنِیرؒ نے اس موقع پر ایک بڑی ضروری بات لکھی ہے۔

فرماتے ہیں: "یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ شب قدر بڑے بڑے بزرگوں اور صاحب کشف و کرامات اولیاء ہی کو ملتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں دیدیتے ہیں[1]"۔ اس لئے ہر شخص کو اس کی تلاش میں کوشش کرنی چاہیئے۔

شب قدر کی پہچان

اے خواجہ چہ پُرسی ز شب قدر نشانی

ہر شب شب قدرست اگر قدر بدانی

حدیثوں میں شب قدر کی کچھ نشانیاں بتائی گئی ہیں جس رات میں وہ نشانیاں پائی جائیں سمجھ لو کہ وہی شب قدر ہے۔

(۱) سب سے صحیح پہچان شب قدر کی یہ ہے کہ اس رات کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو چودھویں رات کے چاند کی طرح بغیر کرنوں کا اور عام دنوں سے کسی قدر کم روشن ہوتا ہے[2]۔ یہ پہچان بہت سے لوگوں نے آزمائی ہے اور ہمیشہ پائی جاتی ہے۔

(۲) وہ رات کھلی ہوئی اور روشن ہوتی ہے[3]۔

(۳) اس رات میں نہ زیادہ ٹھنڈ ہوتی ہے اور نہ زیادہ گرمی[4]۔

(۴) اس رات میں آسمان میں تارے ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر سے اُدھر نہیں جاتے[5]۔

---

[1] نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۹۶ [2] مسلم عن ابی بن کعبؓ۔ عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۳۶۹ [3] مسند احمد کما حکاہ العینی ج ۵ ص ۳۶۵ و ابن کثیر ج ۴ ص ۵۳۱ [4] ایضاً [5] ایضاً

(۵) امام ابن جریر طبری نے بعض بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ اس رات میں ہر چیز زمین پر جھک کر سجدہ کرتی ہے اور پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے[۱] لیکن یاد رہے کہ یہ چیز ہر ایک کو نظر نہیں آتی، اور شاید بہت سوں کی تو سمجھ میں بھی نہ آئے۔

(۶) بعض علماء[۲] کا تجربہ ہے اور ایک عالم صاحب[۳] نے تو ایک ضعیف روایت بھی پیش کی ہے کہ اس رات میں سمندروں، کنوؤں کا کھاری پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ کچھ تعجب کی بات تو ہے نہیں کہ اس رات میں رحمتِ الٰہی کی موسلادھار بارشوں کا اثر اس قسم کی چیزوں میں بھی ظاہر ہو جائے لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اور ہر جگہ ہی ایسا ہوا کرے۔

(۷) بعض لوگوں کو کوئی خاص قسم کی روشنی وغیرہ بھی نظر آتی ہے[۴] لیکن وہ اپنے اپنے حالات پر ہے۔ یہ کوئی خاص نشانی نہیں ہے۔ عام لوگوں کو اس کے چکر میں نہ پڑنا چاہیئے۔

شبِ قدر کے اعمال

اس رات میں جاگ کر نماز، تلاوت، تسبیحات، درود شریف اور دعاؤں وغیرہ کا خوب اہتمام کرنا چاہیئے۔ اس رات کا کوئی خاص عمل نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ

---

[۱] عینی ج ۵ ص ۳۶۵ [۲] عبدۃ بن ابی لبابۃ رواہ البیہقی فی فضائل الاوقات کما قال العینی رحمۃ اللہ
[۳] سید نعمان آلوسی کما فی العرف الشذی ص ۳۲۷ [۴] نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۹۴

تھوڑے تھوڑے سبھی اعمال کئے جائیں۔ اس طرح ہر قسم کے اعمال کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا اور اَدل بَدل کر عبادت کرنا آسان بھی ہو گا۔ کبھی نماز پڑھ لی، کبھی تلاوت کرنے لگے تو کبھی تسبیحات میں مشغول ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! اگر مجھے وہ رات مل جائے تو میں کیا دعا کروں؟ آپؐ نے فرمایا یہ دعا کرنا:۔[1]

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ	اے اللہ! بیشک تو بہت معاف کرنے والا ہے اور
فَاعْفُ عَنِّیْ [2]	معاف کرنے ہی کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف کر دے۔

اس رات میں مسجدوں میں جمع ہونے اور باقاعدہ تقریریں وغیرہ کرنے کرانے سے اگرچہ یہ تو فائدہ ہوتا ہے کہ اس طرح مِل جُل کر جاگنا آسان ہو جاتا ہے مگر اس کی ہمیشہ پابندی کرنا اور بہت زیادہ اہتمام کرنا اچھا نہیں۔ علماء نے اس کو ناپسند کیا ہے۔[3]

اِس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کے دَور میں شب قدر میں جاگنے کا یہ طریقہ نہ تھا۔ حالانکہ اس کی قیمت وہ حضرات ہم سے زیادہ پہچانتے تھے۔

---

[1] غور کیجئے یہ الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ وہ کوئی خاص گھڑی ہوتی ہے جس کا بندے کو پتہ چلتا ہے اور اُسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ مبارک گھڑی یہی ہے، لیکن علماء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ پتہ چلنا ضروری نہیں اور یوں کسی کو معلوم ہو جانا بھی بعید نہیں۔ [2] رواہ احمد والترمذی وصححہ والنسائی وابن ماجۃ والحاکم وصححہ علی شرط الشیخین بمشکوٰۃ ص۱۸۲ ابن کثیر ج ۴ ص۵۳۴ نیل الاوطار ج ۴ ص۲۸۶

[3] مراقی الفلاح بشرح الطحطاوی ص۲۱۹

دوسری ایک ضروری بات یہ ہے کہ ستائیسویں رات کو بہت زیادہ اہتمام کرنے کی وجہ سے لوگوں کا ذہن یہ بن جاتا ہے کہ آج ہی شبِ قدر ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے کہ ستائیسویں کو یقینی طور پر شبِ قدر ہے۔ اس کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ کسی اور رات کو جاگنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ حالانکہ پیچھے گزر چکا ہے کہ اس کے چھپانے کا ایک بڑا راز ہی یہ ہے کہ لوگ اس کی تلاش میں بہت سی راتوں میں عبادتیں کیا کریں۔

ایک ضروری بات

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ پوری رات جاگنا تو بے مشکل اور تھوڑی بہت دیر جاگنے سے فائدہ کیا؟ لہٰذا چھٹی! یہ خیال غلط ہے۔ اگر رات کے اکثر حصے میں جاگ لئے تب بھی انشاء اللہ یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی[1] اور پوری رات ہی جاگنا کونسا مشکل ہے ہم اور آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ رمضان میں کتنے لوگ ایسے تھے جو آج دنیا میں نہیں ہیں اور وہ رمضان ان کا آخری رمضان تھا۔ ہمیں کیا خبر ہے کہ آئندہ رمضان تک ہم میں سے کس کس کی باری ہے۔ اس لئے اگر اتنی بڑی نعمت حاصل کرنے کے لئے کوئی ایک دو رات جاگ ہی لیا تو کونسی بڑی بات ہے۔ لیکن اگر تمام رات جاگنا بس کا ہی نہ ہو تو اکثر حصہ ہی سہی اور بہتر یہ ہے کہ یہ اکثر حصہ اخیر رات کا ہو کیونکہ اس وقت عبادت میں دل بھی لگتا ہے اور شروع رات کے مقابلے میں اخیر رات افضل بھی ہے۔

---

[1] افادہ بعض المحققین قلت لان الاکثر لہ حکم الکل۔

عیدین کی راتیں

عید اور بقر عید کی راتیں بھی بہت قیمتی ہوتی ہیں۔ ان میں بھی جاگنے اور عبادتیں کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

مَنْ قَامَ لَیْلَتَیِ الْعِیْدَیْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰہِ لَمْ یَمُتْ قَلْبُہٗ یَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ۔ (رواہ ابن ماجہ عن ابی امامۃؓ)

جس نے اللہ کے لئے دونوں عیدوں کی راتوں میں عبادت کی اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہوجائیں گے۔

تشریح:۔ یعنی قیامت کے دن جبکہ لوگوں پر بیحد سختیاں اور دہشتیں ہوں گی اس دن اس کا دل بالکل بے خوف اور مطمئن ہوگا۔

چاند

شریعت میں جتنے کام دن رات کے چوبیس گھنٹوں کے اندر ہوتے ہیں ان کا حساب تو سورج کے نکلنے اور ڈوبنے سے لگایا جاتا ہے جیسے نمازوں کے اوقات اور روزے کا شروع و اخیر وغیرہ کیونکہ ان وقتوں کا پتہ سورج ہی سے چلانا آسان ہے اور جو کام اس سے زیادہ وقت مثلاً مہینے اور سال سے تعلق رکھتے ہیں ان کا حساب چاند سے رکھا گیا ہے، جیسے روزے، زکوٰۃ اور حج وغیرہ اور یہ چونکہ اسلام کے اہم

لہ قال المنذری فی الترغیب ج ۲ ص ۱۵۲ رواتہ ثقات الا ان بقیۃ مدلس وقد عنعنہ قلت و یؤیدہ ما اخرجہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر من عبادۃ بن الصامت والاصبہانی من معاذ بن جبل بمعناہ ذکرھما المنذری۔

فریضے ہیں لہٰذا ان کا وقت معلوم کرنا بھی فرض ہوا۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ چاند کی تاریخ کا محفوظ رکھنا فرضِ کفایہ ہے[1]۔ یعنی اگر تمام لوگ دوسری تاریخوں کا رواج ڈال لیں جس سے چاند کی تاریخوں کا حساب ضائع ہو جائے تو سب لوگ گنہگار ہونگے۔ اور فرضِ کفایہ ظاہر ہے کہ ایک عبادت ہے اس لئے اِس کی پابندی پر اجر و ثواب بھی یقینی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ہم اپنے روزمرہ کے کاموں میں چاند ہی کی تاریخ کا رواج ڈال لیں۔

ممکن ہے کاروباری قسم کے حضرات اس میں کوئی دِقت محسوس کریں لیکن اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جہاں سابقہ ایسے لوگوں سے پڑے جو چاند کے حساب سے قطعًا ناواقف ہیں وہاں تو جو تاریخ آسان ہو رکھ لیں لیکن جہاں اس قسم کی کوئی مجبوری نہ ہو جیسے اپنا ذاتی حساب کتاب، خطوط اور یادداشتیں وغیرہ ان میں چاند کی تاریخ کا اہتمام کیا جائے۔ اس طرح ہو سکتا ہے چند دن شروع میں کچھ دقت نظر آئے لیکن کچھ دن بعد ان شاء اللہ آسان ہو جائے گا۔

چاند کی تاریخوں کی حکمتیں اور فائدے

اسلامی احکام کا تعلق چاند کی تاریخوں سے رکھنے میں بہت سی حکمتیں اور فائدے ہیں:۔

(۱) ہمیشہ شریعت کے احکام میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ کم سے کم علم و عقل والا انسان بھی اس کی باتوں میں الجھنے نہ پائے اور ایک شہری اور

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ للطحطاوی صفحہ ۳۵۴

دیہاتی، ایک پڑھا لکھا اور بے پڑھا دونوں برابر آسانی اور سہولت کے ساتھ شریعت کے احکام کی پابندی کر سکیں۔

چاند سے تاریخوں کا پتہ چلانا فطری اور سادہ ہے۔ نہ اس میں نجوم و ریاضی کے جاننے کی ضرورت نہ حساب و کتاب کی حاجت، اس کا جاننا جتنا ایک عالم و فاضل اور ایک نئے علوم سے واقف آدمی کے لئے آسان ہے اتنا ہی ایک بے پڑھے، سیدھے سادے انسان کے لئے بھی آسان ہے اس میں نہ کلنڈر کی ضرورت نہ ڈائری کی، آدمی بستی میں ہو یا جنگل میں خشکی میں ہو یا سمندر میں ہر جگہ بڑی سہولت سے مہینوں اور تاریخوں[1] کا پتہ چلا سکتا ہے۔ یہ بات سورج یا تاریخ معلوم کرنے کے کسی اور ذریعے میں بالکل نہیں اور اسلامی احکام چونکہ ہر قسم کے انسان سے ہر وقت اور ہر جگہ متعلق ہیں اس لئے اگر سورج سے ان کا تعلق رکھا جاتا تو بڑی دقتیں پیش آتیں اور روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے وقتوں کا پہچاننا ہر شخص کے لئے ہر جگہ آسان نہ ہوتا۔ چاند کی تاریخ کا قاعدہ یہ ہے کہ ۲۹ تاریخ کی شام

---

[1] چاند کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ صرف مہینوں ہی کا پتہ نہیں دیتا بلکہ اس کے ذریعے یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مہینے کی ابتدائی تاریخیں چل رہی ہیں یا آخری، اور تجربہ کار لوگ تو اس کی کمی بیشی کے ذریعے اصل تاریخ کا بھی پتہ چلا لیتے ہیں۔ گویا کہ چاند ایک قدرتی کلنڈر اور خودکار (آٹومیٹک) جنتری ہے جس کے اوراق خود بخود الٹتے رہتے ہیں جس میں نہ بھولنے کا ڈر نہ چوری کا خوف نہ کھونے کا خطرہ اور سفر وغیرہ ہو تو لادے پھرنے کی بھی ضرورت نہیں ہر جگہ خود بخود موجود ہے۔

کو تلاش کیا جائے ،نظر آجائے تو کل سے مہینہ شروع ورنہ بر سوں کو پہلی تاریخ یقینی ہے۔

(۲) چاند کے مہینے ہمیشہ ہر موسم میں گھوم گھوم کر آتے ہیں۔ اس لئے ہر موسم میں ہر قسم کی عبادت کرلے کا موقع ملتا ہے اور زندگی کے تمام حصّوں میں سے شریعت کے احکام کا گزر ہوتا ہے۔ چنانچہ ——————

▽ زکوٰۃ کبھی سردی کے موسم میں فرض ہوگی اور کبھی گرمی میں اور کبھی برسات کے موسم میں اور ہر قسم کے غلّے، میوہ جات اور ہر قسم کی آمدنی میں سے زکوٰۃ نکلے گی اور مال کی ہر قسم میں سے غریبوں کو حصّہ ملے گا اور اس میں جہاں زکوٰۃ لینے والوں کا فائدہ ہے دینے والوں کا بھی ہے کہ مثلاً اگر ایک ہی موسم میں ہمیشہ زکوٰۃ دی جاتی اور اتفاق سے اس موسم میں کوئی اچھی جنس پیدا ہوتی تو ہمیشہ وہی دینی پڑتی۔ اسی طرح کاروبار والوں کا اگر اتفاق سے وہ سیزن کا موقع نہ ہوتا اور ہاتھ تنگ ہوا کرتا تو اسی تنگی میں زکوٰۃ دینی پڑتی اور اس میں بندوں کے لئے تنگی تھی۔

▽ روزے کا تعلق چاند سے رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ جب آدھی دنیا پر سردی کا موسم ہوتا ہے تو دوسرے آدھے حصّے پر گرمی ہوتی ہے۔ چاند کا مہینہ چونکہ اَدل بَدل کر آتا ہے[1] اس لئے اگر چند سال آدھی دنیا کے مسلمانوں نے گرمی کے روزے رکھے تھے تو اس کے بعد چند سال انھیں سردی کے موسم میں روزے

---

[1] ہر ۳۶ سال کی مدت میں قمری مہینے شمسی موسم کے تمام حصّوں میں سے گزر جاتے ہیں۔

مل جاتے ہیں، لیکن اگر کوئی شمسی مہینہ مقرر کر دیا جاتا تو آدھی دنیا کے مسلمان ہمیشہ سردی کے موسم میں روزے رکھا کرتے اور آدھی دنیا کے مسلمان ہمیشہ گرمی کے موسم کی سختی اور تکلیف میں روزے رکھتے اور یہ بات ایک عالمگیر مذہب کے اصول کے خلاف ہوتی۔

▽ یہی صورت حج کے اندر ہے کہ حج کرنے والوں کو ہر موسم میں حج کرنے کا موقع ملتا ہے۔ کبھی سردی ہے تو کبھی گرمی ہے اور کبھی چھم چھم کرتا برسات کا سہانا اور خوشگوار موسم۔

رمضان کے روزوں کے متعلق حدیث میں ہے کہ چاند دیکھ کر ہی تو شروع کرو اور چاند دیکھتے ہی ختم کرو اور اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس روزے پورے کرو[1]۔ ایک حدیث میں ہے کہ شعبان کے چاند کا خیال رکھو تاکہ رمضان کے حساب میں گڑبڑ نہ ہو[2]۔

انتیس تاریخ کی شام کو چاند دیکھنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ کلنڈروں جنتریوں کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں اور نہ نجومیوں کے قول کا اعتبار ہے۔ چاہے کوئی معتبر آدمی ہی کیوں نہ ہو بلکہ خود نجومی کو بھی اپنے حساب کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں۔

ایک عوامی خیال بعض لوگ رمضان کے اخیر میں یہ تمنا کیا کرتے ہیں کہ خدا کرے انتیس کا چاند نہ ہو تاکہ ہمارے روزے پورے ہو جائیں یہ خیال غلط ہے۔ روزے ہمارے اوپر تیس دن کے فرض نہیں بلکہ رمضان کے

---

[1] بخاری و مسلم بمشکوۃ ص ۱۷۴   [2] ترمذی عن ابی ہریرۃ رض۔ مشکوۃ ص ۱۷۴

مہینے کے فرض ہیں، اور مہینہ چاند ہوتے ہی ختم ہوجاتا ہے۔ چاہے انتیس کا چاند ہوجائے یا تیس کا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اکثر رمضان انتیس ہی کے ہوئے ہیں۔ حضرت مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس سال روزے رکھے جن میں سے نو سال انتیس ہی تاریخ کا چاند ہوا[1]

نیا چاند دیکھ کر

جب نیا چاند نظر آئے تو یہ دعا پڑھنی چاہیے:-

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّكَ اللّٰہُ۔[2]

اے اللہ! یہ چاند ہم پر امن و ایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ نکال (اے چاند!) تیرا اور ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ[3] کہہ کر تین بار یہ کہے:-

ھِلَالُ خَیْرٍ وَّرُشْدٍ

(اللہ کرے) بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو۔

اور تین بار یہ کہے:-

آمَنْتُ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ

ایمان لایا میں اس ذات پر جس نے (اے چاند) تجھے پیدا کیا۔

---

[1] العرف الشذی ص۳۲۶ عن شرح المواہب اللدنیہ، وحاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص۳۵۴

[2] ترمذی عن طلحۃ بن عبید اللہ بمشکوٰۃ ص۲۱۴ قلت ورواہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ ص۱۷۰

[3] زیادۃ التکبیر ثابتۃ عند الدارمی کما فی مظاہر حق ج ۲ ص۳۲۶ (مطبع ہاشمی میرٹھ)

اور پھر تین بار یہ کہے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ذَهَبَ بِشَهْرِ "کَذَا" وَجَاءَ بِشَهْرِ "کَذَا" [1]

تمام تعریفوں کے لائق خدا ہی کی ذات ہے جو فلاں مہینے کو لے گیا اور اِس مہینے کو لے آیا۔

تشریح :۔ اِس آخری دعاء میں پہلے "کذا" کی جگہ گزرے ہوئے مہینے کا اور دوسرے "کذا" کی جگہ نئے مہینے کا نام لینا چاہیئے۔ چاند دیکھتے ہی چونکہ مہینہ شروع ہوجاتا ہے اس لئے مہینے کی بالکل پہلی ہی گھڑیوں میں مہینے بھر کے لئے خیر و عافیت اور سلامتی کی دعاء کرنے کی تعلیم دی گئی اور مسلمان کی اصل مایہ خدا کے پروردگار ہونے کے یقین کو بھی تازہ کر دیا اور ایک بہت بڑی مخلوق چاند کے سامنے ہماری زبانوں سے کہلوا دیا کہ خدا کے تابعدار ہونے میں ہم اور تو سب برابر ہیں۔

چاند دیکھنے کی گواہی

اگر عام لوگوں کو چاند نظر نہیں آیا لیکن ایک شخص گواہی دیتا ہے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو گواہی سے بھی چاند مان لیا جائے گا بشرطیکہ دیکھنے والا مسلمان دیندار پرہیزگار سچا آدمی ہو اور ظاہر میں خلافِ شریعت کوئی کام نہ کرتا ہو۔

اگر چاند نظر آنے کی جگہ پر گرد و غبار یا ابر ہو تو رمضان شریف کے چاند کے لئے ایک آدمی کی گواہی کافی ہے چاہے مرد ہو یا عورت اور عید بقرعید کے لئے دو پرہیزگار سچے مردوں یا اسی طرح ایک مرد دو عورتوں کی گواہی

---

[1] رواہ ابو داود۔ مشکوٰۃ ص۲۱۶

ضروری ہے، یہ بات اس وقت ہے کہ جب کوئی ابر یا گرد و غبار ہو۔
اور اگر چاند دیکھنے کی جگہ پر کوئی گرد و غبار یا ابر نہیں ہے تو رمضان شریف اور دونوں عیدوں کے چاند کے لئے کم از کم اتنے آدمیوں کی گواہی ضروری ہے کہ جن کی گواہی پر دل مان لے کہ یہ سارے کے سارے جھوٹ نہیں بول رہے اور شک و شبہ نہ رہے اور جب تک دل میں کھٹک باقی ہو اس وقت تک اعتبار نہیں، لیکن یہ بھی غلط ہے آدمی کسی کی بات ماننے کے لئے تیار ہی نہ ہو۔

کہیں باہر سے آئی ہوئی خبر

اگر کہیں باہر سے خبر آئی کہ چاند ہو گیا ہے تو مان لی جائے گی بشرطیکہ خبر ان ذریعوں سے ملے جن کا شریعت میں اعتبار ہے۔ تار (TELEGRAM) کی خبر کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔ اس کے علاوہ خبریں ملنے کے اور جتنے ذریعے آجکل موجود ہیں ان سب کا بیان تفصیل طلب ہے اس لئے بوقت ضرورت علمار کرام سے تحقیق کر لی جائے۔

اگر کسی کی گواہی نہ مانی جائے تو وہ کیا کرے؟

اگر ایک شخص نے چاند دیکھا مگر کسی وجہ سے اس کی گواہی نہیں مانی گئی تو دیکھنے والے کے حق میں تو چاند ہو ہی گیا لہٰذا مہینہ اگر رمضان کا ہے تو یہ اکیلا روزہ رکھے اور پھر جب اس کے حساب سے تیس روزے پورے ہو جائیں اور

عید کا چاند نظر نہ آئے تو اب یہ شخص تنہا عید نہیں کر سکتا بلکہ اور لوگوں کے ساتھ اکتیسواں روزہ بھی رکھے اور سب مسلمانوں کے ساتھ عید کرے۔

اگر ایسا ہو کہ چاند نہیں ہوا تھا اور آج رمضان کی تیس تاریخ تھی اتنے میں کسی معتبر ذریعے سے معلوم ہوا کہ کل چاند ہو چکا ہے تو سب کو روزہ توڑ دینا چاہیئے، چاہے شام ہی کو خبر آئے کیونکہ عید کا روزہ حرام ہے۔ خبر اگر ایسے وقت آئی کہ ابھی نماز کا وقت ہے اور لوگ جمع ہو سکتے ہیں تو عید کی نماز پڑھی جائے اور اگر اتنا موقع نہیں تو اگلے دن نماز ادا کریں۔

عید

عید کا دن بہت مبارک اور خدا کی مہمانی کا دن ہے آج کے دن ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ اسی وجہ سے آج کا روزہ حرام ہو گیا کیونکہ جب خدا نے ہمیں مہمان بنا کر کھانے پینے کا حکم دیا ہے تو ہم کو اس سے منہ موڑنا ہرگز نہ چاہیئے آج کے دن روزہ رکھنا گویا خدا کی مہمانی کو رد کرنا ہے —— یہ ہم مسلمانوں کا بہت بڑا تیوہار ہے۔ ہمارے تیوہار میں کھیل تماشا اور ناچ گانا وغیرہ نہیں ہوتا۔ کسی کو تکلیف دینا، ستانا نہیں ہوتا بلکہ جس کو خدا نے دیا ہے وہ دوسرے ضرورتمندوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ مالدار جب اپنے پھول سے بچوں کو اُجلے اُجلے کپڑوں میں خوشی خوشی اُچھلتا کودتا دیکھتا ہے تو غریب کے مرجھائے ہوئے چہرے اور اس کے بچوں کی حسرت بھری نظریں اس سے دیکھی نہیں جاتیں۔ مسلمان دولتمند اپنے گھر کے دس قسم کے خوشبودار اور لذیذ کھانوں کو اس وقت تک ہاتھ نہیں لگاتا

جب تک کہ مفلس پڑوسی کے گھر میں سے دھواں اُٹھتا نہ دیکھ لے، بھلا میری کیا عید اگر میرا پڑوسی آج کے دن بھی بھوکا رہا بھلا میری جگمگ بیوی مجھے کیسے بھا سکتی ہے جبکہ برابر میں ایک نادار کی بیوی کے کپڑوں میں تین تین پیوند ہیں۔ اگر خدانخواستہ ہم اتنے غیرت مند نہیں ہیں —— اور مسلمان غیرتمند کیوں نہ ہو؟ —— تو ہمارا غیور خدا تو اس کو برداشت نہیں کر سکتا کہ میرا ایک محتاج بندہ اپنے میلے کپڑوں کی وجہ سے عید کی نماز تک میں شریک ہونے سے شرما رہا ہے اور اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے جب اپنے ساتھ کھیلنے والے بچوں کے پاس جھل مِل کرتے ہوئے شاندار کپڑے اور کھنا کھن بجتے ہوئے پیسے دیکھ کر اپنی ماں سے منہ بسور کر "اماں ہم بھی ایسا ہی لیں گے" کہتے ہیں اور پھر ان کی ماں اُنھیں کلیجے سے لگاتے ہوئے آنکھوں کے آنسو پونچھتے ہوئے کہتی ہے کہ "بیٹا ہاں تم کو بھی دلائیں گے" اور یہ کہتے ہوئے مارے غم کے بے اختیار اس کی چیخ نکل پڑتی ہے اور اس کے دُکھی دل پر فکر و غم کے بادل چھا جاتے ہیں تو یہ منظر خدائے رحیم و کریم سے دیکھا نہیں جاتا —— اور کون غیرتمند دیکھ سکتا ہے؟ —— اس لئے خدا نے اپنے خوش حال بندوں پر یہ لازم کر دیا ہے کہ جب تک وہ میرے غریب بندوں اور بندیوں کے آنسو نہ پونچھ دیں، جب تک ان کا تن نہ ڈھانپ دیں جب تک اُن کا چولھا گرم نہ کر دیں، جب تک اُن کے نونہالوں کو مسکراتا نہ دیکھ لیں خود عید نہ منائیں، جب تک اُن کے دل کی کلی نہ کھِل جائے میرے سامنے نہ آئیں جب تک اُس کی بیوی کی سُکھ سے عید منے کا انتظام نہ ہو جائے — اپنی بیوی کی پازیب کو بیڑی اور ہار کو طوق سمجھیں۔ آپس کی اسی ہمدردی کے

کم [1] سے کم اور ضروری سے ضروری حصے کا نام "صدقۃ الفطر" ہے صدقۂ فطر مسلمانوں کی آپس کی ہمدردی کا وہ کم سے کم اور گرے سے گرا حصہ ہے کہ اگر اتنا بھی نہ ہو تو مالدار دن پر خدائی قہر اترتا ہے۔ ان کی کمائیوں کی برکتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ خدائے قہار ان کے پیچھے ایسے الجھیڑے لگا دیتا ہے کہ صدقۂ فطر سے کہیں زیادہ پیسہ برباد ہو جاتا ہے اور کسی غریب کے ایک دن کے رونے کی پرواہ نہ کرنے کی سزا میں خدائے غیور اس بے غیرت دولتمند کو کبھی کبھی برسوں گھٹنوں میں سر دے کر رلاتا ہے اور جب یہ بندے خوشیوں اور مسرتوں میں دوسروں کو اپنا شریک نہیں بناتے تو خدائے دانا و بینا غموں کیلئے آنسوؤں اور ہچکیوں میں دونوں کو شریک کر کے اپنے تمام بندوں کو یکساں کر دیتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ

(اس میں ان انسانوں کے لئے بڑی عبرت ہے جو سمجھنے والا دل اور سننے والے کان رکھتے ہیں)

عید کے دن کرنے کے کام

عید کے دن یہ کام سنت ہیں:۔

(۱) غسل کرنا، مسواک کرنا

(۲) جو کپڑے خدا نے ہمیں دیئے ہیں ان میں سب سے اچھے کپڑے پہننا۔ ضروری نہیں کہ نئے ہی ہوں۔ آجکل عام دستور ہو گیا ہے کہ قرض لے کر،

---

[1] چنانچہ نور الایضاح ص ۱۱۹ میں عید کے دن کے مستحبات میں یہ بھی لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جتنی ہمت ہو صدقہ خیرات کرے۔

گروی رکھ کر جیسے بھی ہو نئے کپڑے بنانا ضروری سمجھتے ہیں یہ غلط ہے گنجائش ہو تو بنائیں ورنہ دُھلے ہوئے کپڑوں سے بھی عید ہو جاتی ہے۔

(۳) اگر اپنے پاس موجود ہو تو خوشبو لگانا۔

(۴) عید الفطر (یعنی رمضان کے بعد والی عید) میں نماز کو جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا۔

(۵) صدقۂ فطر ادا کر کے جانا۔

(۶) بقر عید میں نماز کے بعد آکر اپنی قربانی کا گوشت کھانا۔

(۷) عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا۔

(۸) عید گاہ تک پیدل جانا لیکن اگر عید گاہ بہت دُور ہو اور پیدل چلنا مشکل ہو تو سواری سے بھی جا سکتے ہیں۔ قریب پہنچ کر کچھ دور پیدل بھی چل لیں۔

(۹) ایک راستے سے جانا دوسرے سے واپس آنا۔

(۱۰) عید میں آہستہ آہستہ اور بقر عید میں آواز سے تکبیر کہتے ہوئے جانا
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

(۱۱) عید کی نماز سے پہلے گھر یا عید گاہ میں کوئی نفل نماز نہ پڑھنا۔

(۱۲) عید کی نماز کے بعد عید گاہ میں کوئی نفل نماز نہ پڑھنا، گھر آکر پڑھیں تو حرج نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ عید کے دن فرشتے راستوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف آؤ تمہیں خوب انعامات

ملیں گے، تمہیں راتوں کو عبادتیں کرنے اور دنوں کو روزے رکھنے کا حکم ہوا وہ تم نے پورا کر دیا۔ اب جاکر اپنے انعامات لے لو۔ پھر جب عید کی نماز ہو جاتی ہے تو خدا کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ جاؤ تم سب کی مغفرت ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دن آسمانوں میں یَوْمُ الْجَائِزَةِ (انعام کا دن) کہلاتا ہے۔ [1]

صدقۂ فطر [2]

خدائے تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رمضان شریف کے ختم ہونے کی خوشی میں شکریے کے طور پر ایک صدقہ مقرر فرمایا ہے جسے "صدقۂ فطر" کہتے ہیں۔ اس کا ایک فائدہ حدیث شریف میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رمضان شریف کے روزوں میں جو فضول اور بیکار باتیں ہو جاتی ہیں صدقۂ فطر اُن کو ختم کر کے روزہ دار کو بالکل پاک و صاف کر دیتا ہے [3]

کس پر واجب ہے؟

جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر صدقۂ فطر بھی واجب ہے لیکن فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب میں تو سونا چاندی یا تجارت کا مال ہی ہونا ضروری ہے اور صدقۂ فطر واجب

---

[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر کما فی الترغیب ج ۲ ص ۱۵۳ [2] اسکے لئے پیچھے گزرا ہوا عنوان "عید" ص ۱۲۲ ضرور دیکھ لیں [3] رواہ ابوداود و ابن ماجۃ والدارقطنی والحاکم وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ مشکوۃ ص ۱۶۰، نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۹۵

ہونے کے لئے صرف یہی تین چیزیں نہیں بلکہ اس کے نصاب میں ہر قسم کا مال حساب میں لے لیا جاتا ہے۔ ہاں یہ بات دونوں نصابوں میں شرط ہے کہ اپنی روزمرہ کی ضرورتوں سے زیادہ ہو اور قرضے سے بچا ہوا ہو۔

چنانچہ اگر ایک شخص کے پاس روزانہ پہننے کے کپڑوں کے علاوہ کچھ کپڑے رکھے ہوئے ہوں یا روزمرہ کی ضرورت سے زائد تانبے، پیتل، اسٹیل اور چینی وغیرہ کے برتن رکھے ہیں یا اس کا کوئی مکان خالی پڑا ہوا ہے یا اور کسی قسم کا سامان ہے اور روزانہ کی ضرورت سے زیادہ ہے تو اگر ان چیزوں کی قیمت مل کر نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جاتی ہے تو اس پر زکوٰۃ تو فرض نہیں لیکن صدقۂ فطر واجب ہے، اسی طرح صدقۂ فطر کے نصاب پر سال گزرنا بھی ضروری نہیں بلکہ اگر اسی دن اتنے مال کا مالک ہوا ہو تب بھی صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

غریب آدمی جس کے پاس اتنا مال نہ ہو اس پر اگرچہ واجب نہیں ہے، لیکن اگر گنجائش ہو تو اسے بھی دینا چاہیئے، کیونکہ اس کی فضیلت اور ثواب ہر شخص کے لئے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اَمَّا غَنِیُّکُمْ فَیُزَکِّیْهِ اللّٰهُ وَاَمَّا فَقِیْرُکُمْ فَیَرُدُّ اللّٰهُ عَلَیْهِ اَکْثَرَ مِمَّا اَعْطٰی (رواہ احمد و ابوداؤد) [1]	مالدار صدقۂ فطر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پاک صاف کر دیتے ہیں اور غریب آدمی دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس سے زیادہ دیتے ہیں۔

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۵۱

ایک غلط فہمی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس نے روزے نہیں رکھے اُس پر صدقۂ فطر واجب نہیں یہ غلط ہے جو نصاب کا مالک ہے اس پر صدقۂ فطر واجب ہے چاہے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں[1]

کس کس کی طرف سے واجب ہے؟ جو شخص اوپر بیان کئے ہوئے نصاب کا مالک ہو اس پر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے دینا واجب ہے لیکن نابالغوں کا اگر اپنا مال ہو تو ان کے مال میں سے ادا کرے۔

صدقۂ فطر کا وقت عید کے دن صبح صادق ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔ پس جو شخص صبح صادق سے پہلے مرگیا اس کے مال میں سے صدقۂ فطر نہیں دیا جائے گا اور جو بچہ عید کی صبح صادق سے پہلے پیدا ہوا اس کی طرف سے دیا جائے گا۔

صدقۂ فطر ادا کرنے کا بہتر وقت عید کے دن عید کی نماز کو جانے سے پہلے ہے لیکن اگر نماز سے پہلے نہ دیا ہو تو نماز کے بعد دیدے اور جب تک بھی ادا نہ کیا جائے گا اپنے ذمے واجب رہے گا چاہے کتنی ہی مدت گزر جائے، اگر صدقۂ فطر عید کے دن سے پہلے رمضان شریف ہی میں ادا کر دیا تو بھی جائز ہے۔

---

[1] بات اگر یوں ہوتی کہ جس نے روزے نہیں رکھے وہ دوگنا صدقۂ فطر ادا کرے تب تو شاید عقل میں بھی آجاتی لیکن یہ اُلٹی گنگا کیسے بہہ سکتی ہے۔ ایک تو روزے چھوڑے اوپر سے صدقۂ فطر بھی نہ دے

مقدار:- صدقۂ فطر میں ہر قسم کا غلہ اور قیمت دینا جائز ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ
۱- اگر گیہوں یا اُس کا آٹا یا ستّو دے تو ہر آدمی کی طرف سے پونے دو سیر یعنی ایک کلو چھ سو تینتیس ۶۳۳ گرام دینا چاہیئے۔
۲- اور اگر جَو یا اس کا آٹا یا ستّو دے تو ساڑھے تین سیر یعنی تین کلو دو سو چھیاسٹھ ۲۶۶ گرام دینا چاہیئے۔
۳- اور اگر گیہوں یا جَو کے علاوہ کوئی اور غلہ مثلاً جوار، باجرہ، چاول وغیرہ دے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت لگا کر اُس قیمت میں جتنا وہ غلہ آتا ہو اُتنا دے دینا چاہیئے اور اگر قیمت دینی ہو تو اوپر آئے ہوئے وزن کے برابر گیہوں یا جَو کی قیمت لگا کر دینی چاہیئے اور بہتر یہی ہے کہ قیمت دیدے[۵] تاکہ لینے والا اپنی کسی اور ضرورت میں خرچ کرنا چاہے تو کر سکے۔
ایک آدمی کا صدقۂ فطر تھوڑا تھوڑا کر کے کئی فقیروں کو بھی دے سکتے ہیں اور ایک کو بھی، اسی طرح کئی آدمیوں کا ایک ہی فقیر کو بھی دے سکتے ہیں، لیکن اتنا نہ ہو کہ جس پر زکوٰۃ یا صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے۔

تنبیہ:- اگر غلے کی قیمت ادا کرنی ہو تو اس دن کا عام بھاؤ معلوم کر کے وہی قیمت لگانی چاہیئے۔

صدقۂ فطر کے حقدار:- صدقۂ فطر یا زکوٰۃ کا پیسہ اِن لوگوں کو دینا جائز ہے:
۱- وہ غریب آدمی جس کے پاس کچھ تھوڑا سا مال و اسباب ہے لیکن نصاب سے

---

۵ الدر المختار ص۱۴۳، مراقی الفلاح بشرحہ للطحطاوی

کم ہے۔

۲۔ ایسا نادار شخص جس کے پاس کچھ بھی نہیں۔

۳۔ وہ شخص جس کے ذمّے لوگوں کا قرض ہو اور اس کے پاس قرضے سے بچا ہوا مال نصاب سے کم ہو۔

۴۔ وہ مسافر جو سفر کی حالت میں تنگ دست ہو گیا ہو چاہے اس کے پاس گھر پر کتنا ہی مال و دولت ہے، اس کو بھی بقدرِ ضرورت زکوٰۃ یا صدقۂ فطر دے سکتے ہیں۔

۵۔ اسلامی مدرسوں میں پڑھنے والے طالبعلموں پر خرچ کرنے کے لئے مدرسوں کے ذمّے داروں کو دینا جائز بلکہ بہتر ہے۔ اس میں غریبوں پر خرچ کرنا بھی ہے اور علمِ دین کی خدمت بھی۔

جن لوگوں کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں وہ یہ ہیں :۔

۱۔ وہ شخص جس پر خود زکوٰۃ یا صدقۂ فطر واجب ہے۔

۲۔ سیّد اور اولادِ ہاشم۔ اولادِ ہاشم سے مراد ان پانچ حضرات کی اولاد ہیں۔

(۱) حضرت حارث بن عبدالمطلب (۲) حضرت جعفر (۳) حضرت عقیل (۴) حضرت عباس (۵) حضرت علی رضی اللہ عنہم۔

۳۔ اپنے باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان سے اوپر کے۔

۴۔ بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی اور ان سے نیچے کے۔

۵۔ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ یا صدقۂ فطر نہیں دے سکتے۔

۶۔ غیر مسلم

۷۔ مالدار آدمی کی نابالغ اولاد۔

اسی طرح مسجد کی تعمیر، فرش، لوٹوں یا پانی وغیرہ میں یا کسی لاوارث میت کے کفن دفن یا میت کا قرض ادا کرانے میں بھی یہ پیسہ دینا جائز نہیں۔

تنبیہ:۔ صدقۂ فطر یا زکوٰۃ کا پیسہ دیتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس کو ہم دے رہے ہیں وہ حقدار بھی ہے یا نہیں۔ بہت سے لوگ صدقہ خیرات لینے کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس خود اتنا مال ہوتا ہے کہ جس پر زکوٰۃ یا صدقۂ فطر واجب ہے۔ اسی طرح عیدگاہ کو جاتے ہوئے فقیروں کو تقسیم کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ ان میں اکثر غیر مستحق ہوتے ہیں۔ یوں آپ غریبوں پر لٹائیں تو بہت اچھی بات ہے لیکن یہ پیسہ دیتے وقت دیکھ بھال کرنا ضروری ہے آجکل اس میں بڑی بے احتیاطیاں ہو رہی ہیں۔

عیدگاہوں میں بچّوں کی بھیڑ

آجکل عام طور پر بچّوں کو اپنے ساتھ عیدگاہ لے جانے کا رواج پڑ گیا ہے۔ جسے دیکھو اپنے ساتھ ایک دو بچّے لئے ہوئے ہے اور حیرت تو اس پر ہے کہ ہر سال اس کا انجام دیکھنے کے باوجود لوگوں کو عقل نہیں آتی۔ شاید ہی کوئی سال ایسا ہوتا ہو کہ بچّے عیدگاہ میں جا کر رونا پیٹنا نہ پھیلاتے ہوں، لڑتے جھگڑتے نہ ہوں، پیشاب پاخانہ نہ کر دیتے ہوں، کھوئے نہ جاتے ہوں، کتنے لوگ ہیں جن کی عید کی نماز بچّے سنبھالنے ہی میں ختم ہو جاتی ہے۔

خدارا ذرا خیال تو کیجئے! آپ کی نماز تو خراب ہوتی ہی ہے دوسروں کی

نمازوں میں بھی خلل ہوتا ہے اور تمام نمازیوں کو ان غلط حرکتوں سے تکلیف ہوتی ہے ہاں اگر بچے سمجھدار باشعور ہوں اور سمجھانے سے خاموش بیٹھ جائیں یا بچوں کی صف میں خاموشی سے نماز ادا کریں تو لائیے اور ضرور لائیے تاکہ انھیں نماز کا شوق ہو اور اسلامی اعمال کا ان کے دل و دماغ پر اثر پڑے۔

ہماری عید کی محفلیں

قدیم زمانے سے دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک میں یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر قوم کا ایک خاص دن ہوتا ہے جس دن وہ سب بہتر سے بہتر خوراک اور عمدہ سے عمدہ لباس استعمال کرتے اور پوری شان و شوکت کے ساتھ کسی مخصوص جگہ پر جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملنے اور ملاقاتیں کرتے ہیں اور شاید اسی میل جول کی وجہ سے یہ محفلیں "میلہ" کہلاتی ہیں۔

یہ میلے دراصل انسانوں کی بڑی اہم ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے ہر انسان کی ضرورت کو دوسرے انسانوں سے وابستہ کردیا ہے اور ایک شخص کی ضرورت کو دوسرے سے جوڑ دیا ہے۔ جب یہ دونوں آدمی اس قسم کے میلوں میں جمع ہوتے ہیں تو ہر شخص اپنی ضرورت کی چیز دوسرے سے خرید لیتا ہے اور اس طرح انسانوں کے لئے باہمی ترقی کی راہیں کھلتی ہیں اور ہر ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔

یہ میلے کہیں ہفتے وار لگتے ہیں جنھیں پینٹھ یا ہاٹ کہتے ہیں اور کہیں ہر ہر مہینے اور کہیں سال کے سال لگتے ہیں۔ پھر بعض میلے تو کسی خاص چیز سے

تعلق رکھتے ہیں جیسے جانوروں کے میلے جن میں دُور دُور سے گائے بھینس وغیرہ آتی ہیں اور کبھی عام چیزوں کے لئے لگتے ہیں۔ پھر جس نام پر یہ میلے لگتے ہیں وہ کبھی تو کوئی تیرتھ، کوئی مزار یا کوئی مقدس مقام ہوتا ہے اور کبھی محض تجارتی مقصد سے لگتے ہیں۔

آج کے ترقی یافتہ جدید دَور میں یہی میلے ذرا اونچے پیمانے پر لگتے ہیں۔ قدیم زمانوں میں تو چند دیہاتوں اور قصبات ہی کی چیزیں آتی تھیں لیکن آجکل دور دراز ملکوں کے عجیب عجیب سامان اور نئی مصنوعات اور طرح طرح کی ایجادات اور خود کار (آٹومیٹک - AUTOMATIC) مشینیں آتی ہیں اور ہر ملک کے لوگ اس میں حصہ لیتے ہیں جنھیں نمائش (EXHIBITION) کہا جاتا ہے۔

ان سب بازاروں، میلوں اور نمائشوں میں اگر غور کریں تو ان تمام کا صرف ایک مقصد مادّی ترقی اور اس گوشت پوست کے جسم کو پالنا اور پرورش کرنا ہوتا ہے۔ جدید دنیا نے بھی اگر کچھ آگے کی سوچی ہے تو بس اسی کو آگے بڑھایا ہے اور اسی مقصد کو ذرا اونچے پیمانے پر پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

محسنِ انسانیت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو بتایا کہ اس زمین و آسمان کی ڈبیا اور اس گندے قطرے سے بنے ہوئے جسم کے علاوہ اور بھی کچھ ہے جس کے لئے ان نمائشوں سے زیادہ بڑی بڑی نمائشوں اور میلوں کی ضرورت ہے اور اگر اب تک کے میلے کسی مقدس جگہ یا تجارتی مقصد کے تحت لگتے تھے تو کچھ میلے دونوں جہاں کے پالنہار خدا کے نام پر اور اُس کی یاد

کے لیئے بھی لگا کریں[1] اور اگر اب تک دنیا کا ساز و سامان لاکر فروخت کیا جاتا تھا تو اب کچھ میلے انسانیت و شرافت اور امانت و دیانت اور بلند اخلاق و کردار کا لین دین اور اس کی بھلائی کے لئے بھی لگا کریں اور اگر اب تک دوسروں کی جیب کا پیسہ کھینچنے کی کوششیں ہوتی تھیں تو اب کچھ میلے ایسے بھی ہوں جن میں اپنی جیب کا پیسہ دوسرے محتاجوں، غریبوں اور ناداروں تک پہنچایا جائے۔ اب تک اگر دنیا کے دیوانے عیش و عشرت کی رنگ رلیوں میں آکر کمزوروں، ناتوانوں پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے تو کچھ خدا کے بندے ایسے بھی ہوں جن کی خوشی ہی روتوں کو ہنسانے اور تنگ دستوں کو خوشحال بنانے میں ہو جو سرور و مستی میں بھی غریبوں اور ضرورتمندوں کی خبر گیری کریں۔ اس اہم مقصد کے لئے آپؐ نے اپنی اُمت کو ہر سال میں دو بار عید منانے کا حکم دیا اور کھانے پینے اور خوشی منانے کو ضروری قرار دے دیا حتیٰ کہ اگر کوئی ان دو دنوں میں کھانا پینا چھوڑ دے اور روزہ رکھ لے تو وہ سخت گنہگار ہے اور فرمایا کہ عید کے دن صبح سویرے اُٹھو غسل کرو اور اپنے

---

[1] غور کیجئے کہ اگر اسلامی تہوار کا تعلق کسی شخصیت کی یادگار یا کسی مخصوص مقام سے ہوتا تو یہ تہوار بہت محدود ہو کر رہ جاتا اور سوائے چند لوگوں کے کسی اور کو اس سے دل چسپی نہ ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات ایک عالمگیر مذہب کے اصول کے خلاف ہوتی اس لئے شریعت اسلامی نے عید کا تعلق تمام موجودات کے خالق و مالک اللہ کی ذات سے قائم کر کے صرف ہماری دنیا ہی نہیں بلکہ چاند و زہرہ اور مریخ میں یا کہیں اور بھی اگر کوئی مخلوق ہے تو ان سب کو بھی اس تہوار کا برابر حقدار بنا دیا۔ اس لئے کہ خدا سے سبھی کا تعلق ہے۔

کپڑوں میں سے بہتر سے بہتر کپڑے پہنو، خوشی اور مسرت کا اظہار کرو، غریبوں اور محتاجوں کی خبر گیری کرو، اُن کی ضرورتیں پوری کرو۔ لوگ اپنی عیدوں تہواروں کے موقع پر غرور و تکبر اور گھمنڈ کیا کرتے ہیں۔ تم زمین و آسمان کی تمام طاقتوں کو ہیچ سمجھ کر ہر جگہ صرف تنِ تنہا خدا کی عظمت و کبریائی اور اسی کی طاقت و قوت کی آواز لگاؤ۔ گھر سے نکلتے ہوئے بھی اور عیدگاہ جاتے ہوئے بھی حتیٰ کہ بار بار نماز کے اندر بھی اور بعد میں بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ (اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے) لوگ ایسے موقعوں پر فخر کیا کرتے ہیں اور ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم ایسے ـــ اور ہم ویسے" تم اعلان کرو " وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ " تمام خوبیاں اور تعریفیں صرف تنِ تنہا خدا کی ذات میں ہیں۔ لوگ اپنے تیوہاروں میں گردن اُٹھا کر سینہ تان کر اکڑتے ہوئے پھرتے ہیں، تم گردن جھکائے نظریں نیچی کئے تمام کے تمام ـــ کیا امیر اور کیا غریب اور کیا بادشاہ اور کیا فقیر سب ـــ ایک ساتھ خدا کے سامنے سجدوں میں گر جاؤ، لوگ اپنے میلوں میں ناچ گانا، کھیل کود کرتے اور درندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، تم انسانیت و شرافت، تقویٰ و دیانت کا مظاہرہ کرو۔ پھر اس کے بعد سب اکٹھے بیٹھکر اپنے پیدا کرنے اور پالنے والے خدا کے احکام و ہدایات سُنو اور پھر پورے وقار و سنجیدگی اور متانت کے ساتھ بحسن و خوبی یہ مبارک "رُوحانی میلہ" اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائے۔

آج بیسویں صدی کی تہذیب یافتہ دنیا میں کوئی ہزاروں کا نہیں سیکڑوں کا مجمع بھی ہے جو اس شان و شوکت اس کر و فر کے ساتھ کہیں اکٹھا ہو اور اس سکون و خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائے؟ یہ صرف کرشمہ ہے

تیوہار کے اندر یادِ خدا کے شامل ہوجانے کا ہ

ظفرؔ آدمی اُس کو نہ جانیئے گا، وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

عید کی نماز

عید اور بقر عید کو دو دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ اس نماز کا وقت سورج نکلنے سے تقریباً بیس منٹ بعد سے شروع ہوتا ہے اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔ ان دونوں نمازوں کے لئے اذان و تکبیر نہیں، عید کی نماز عید گاہ ہی میں پڑھنا سنّت ہے۔ مسجدِ نبوی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے[1]۔ لیکن اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عید گاہ ہی میں نمازِ عید ادا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز عید گاہ ہی میں پڑھنا بہتر ہے[2]۔

---

[1] رواہ ابن ماجۃ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ مشکوۃ ص۷۲ والاحیاء تخریج العراقی جلد ۱ ص۲۱۹

[2] افسوس کہ آج بہت سے علاقے ایسے بھی ہیں کہ جہاں ہر اس مسجد میں عیدین کی نماز ہوتی ہے جہاں پانچ وقت فرض نماز ہوجاتی ہو۔ یہ طریقہ غلط ہے ہمّت و جوانمردی کے ساتھ آبادی سے باہر عید گاہوں کا انتظام کرنا چاہیئے۔ اور تمام مسلمان آبادی سے باہر نکل کر عید کی نماز ادا کیا کریں۔

عید کی نماز کی ترکیب

نیت :- نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز[1] عید الفطر (رمضان والی عید) یا عید الاضحیٰ (البقر عید) کی چھ زائد تکبیروں کے ساتھ اس امام کے پیچھے رُخ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ اس کے بعد اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر نیت باندھ لیں — اور سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ اخیر تک پڑھیں پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھاتے ہوئے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں اور دونوں ہاتھ چھوڑ دیں۔ پھر دوسری بار بھی اسی طرح ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں پھر تیسری بار ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں اور اب کی بار ہاتھ باندھ لیں پھر امام اَعُوْذُ بِاللّٰہِ، بِسْمِ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ شریف اور سورت پڑھے اور سب خاموش رہیں اور اس کے بعد رکوع و سجدہ کریں۔ ایک رکعت پوری ہو گئی۔

دوسری رکعت کے لئے جب کھڑے ہوں تو امام پہلے الحمد شریف اور سورت پڑھے۔ اس کے بعد کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں۔ پھر دوبارہ کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں۔ پھر تیسری بار کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں اس کے بعد پھر بغیر ہاتھ اُٹھائے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے رکوع میں چلے جائیں اور عام نمازوں کی طرح نماز پوری کر لیں۔ نماز اور دعا[2] سے فارغ ہو کر امام خطبہ

---

[1] "نماز واجب" کہنا ضروری نہیں۔ طحطاوی علی المراقی صفحہ ۲۹۰ [2] اگلا حاشیہ دیکھئے

پڑھے اور تمام لوگ خاموشی سے بیٹھ کر سنیں۔ یہ نماز کا پورا طریقہ ہو گیا۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو اور یاد رکھو۔

عید کا خطبہ

دونوں عیدوں میں بھی جمعہ کی طرح دو خطبے ہوتے ہیں اور دونوں کے بیچ میں بیٹھنا سنّت ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جمعہ میں خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور عید میں نماز کے بعد۔ عیدین کا خطبہ سنّت ہے۔ بہت سے لوگ خطبہ سُنے بغیر اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ یہ سُنّت کے خلاف ہے اس خطبے میں بھی جمعہ کے خطبے کی طرح بات چیت کرنا، کوئی حرکت کرنا، چندہ وغیرہ کرنے کے لئے صفوں کے بیچ میں پھرنا سخت منع ہے۔ جس طرح جمعہ کے خطبے کے بعد دُعا[1] نہیں ہوتی اسی طرح اِس خطبے کے بعد بھی دُعا نہیں بس نماز کے بعد دُعا ہو چکی۔

عید کے بعد

اب رمضان المبارک کا پیارا مہینہ ختم ہو چکا، عید بھی ہو گئی، کیسی مُبارک گھڑیاں تھیں، کیسی مسجدوں میں چہل پہل تھی، کیا پیارا پیارا سُہانا سماں تھا، کیسے ذوق و شوق سے نمازی تراویح کے لئے دوڑے آتے تھے، کیسے لُطف

---

[1] عیدین کی نماز کے بعد یا خطبے کے بعد دُعا کرنے نہ کرنے کے متعلق تحقیق و تلاش کے بعد جو بات راقم سطور کے نزدیک راجح نظر آئی وہ تحریر کی جا رہی ہے۔ اقوال اس میں اور بھی ہیں (مؤلف)

لے لے کر قرآن کریم پڑھا اور سُنا جاتا تھا، عورتیں اور بچے بھی کیسے مگن تھے اور کیسے شوق سے نمازوں کا اہتمام کرتے تھے، کیسا مزا آتا تھا سحری کے لئے اُٹھنے میں اور سحری کھاکر فوراً نمازِ فجر کو جانے میں، ہا! ہا! اب کہاں وہ راتیں! اب کہاں وہ مبارک گھڑیاں! کہاں وہ انطار کا دلکش منظر! خدا پھر نصیب کرے، پھر خدا دوبارہ خیر و عافیت کے ساتھ رمضان لائے۔ آمین

میرے دوستو! میرے عزیز نوجوانو! اور میرے محترم بزرگو! ہم نے رمضان میں جو بھی کچھ روزہ نماز اور عبادتیں کیں اب ان کے خطرے میں پڑنے کا وقت آگیا ہے، ہم نے رمضان میں جو جو اعمال شروع کئے تھے اگر اب ان کو اپنائے رکھا اور ان میں کوئی کسی قسم کی کمی نہ آنے دی تو ان شاءاللہ آسانی سے چلتے رہیں گے ورنہ جہاں ایک بار چھوٹے پھر شروع کرنا مشکل ہوجائے گا، چلتی ہوئی گاڑی کو چلاتے رہنا تو آسان ہوتا ہے لیکن جہاں ایک بار گاڑی رُکی پھر دوبارہ ازسرِنو چلانے میں بڑی محنت پڑتی ہے اس لئے جو کچھ شروع کرچکے ہو پابندی سے چلاتے رہو، شیطان و نفس ضرور بہکائیں گے لیکن اُن سے مقابلہ کرتے ہوئے ہی نیکیاں کرنا ہے، اب شیطان قید سے آزاد ہوگیا ہے اور ہمارے مقابلے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے گا اور آج عید کی نماز سے فارغ ہوتے ہی اُس کے داؤں پیچ چلیں گے اور اب تک کے کئے کرائے پر پانی پھیرنے کی کوشش ہوگی، ہمارے یہ قابلِ رشک نوجوان سینماؤں کا رُخ کریں گے، لہو و لعب اور فضولیات کو اپنائیں گے، اخلاق و شرافت سے گری ہوئی باتیں بھی کریں گے اور سب بھول جائیں گے کہ ہم نے

رمضان میں کیسے کیسے نیک ارادے کئے تھے ـــــ خدا کرے کہ ایسا نہ ہو۔
ہم نے جو رمضان میں اپنے نفس پر کنٹرول کرنا سیکھا تھا در حقیقت آج سے اس کا امتحان شروع ہو جائے گا کہ ہمیں کنٹرول کرنا آیا بھی یا نہیں۔

عزیز نوجوانو! اپنی قدر کرو اور قیمت پہچانو۔ خدا کی قسم تم ان کاموں کے لئے نہیں ہو۔ یہ بے مقصد اور بیکار لوگوں کے کام تمہیں زیب نہیں دیتے۔ تمہارا یہ تازہ خون، یہ تندرست بازو، یہ نئی اُمنگیں کہیں اور ہی خرچ ہونے کے لائق ہیں۔ تمہارا لذّت کام و دہن میں اُلجھے رہنا اور ایک خاموش و بے مقصد زندگی بسر کرتے رہنا اپنے کو برباد کرنا ہے ؎

اِسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

تمہاری مثال اس شیر کے بچے کی سی ہے جو بچپن میں بکریوں میں آ کر رہ گیا ہو اور انھیں میں پل کر جوان ہوا ہو اور اپنے کو ایک بکری ہی تصور کرنے لگے ؎

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہیں رہ و رسم خسروانہ

اس شیر کو یہ کون سمجھائے کہ کہاں تو شیر ببر اور کہاں وہ غریب بکری، تیری ایک چنگھاڑ ان کے سیکڑوں کا پتہ پانی کر سکتی ہے۔ یہ ہزار ہوں تو بھی تجھ سے آنکھ ملانے کی جرأت نہ کر سکیں، وہ انسانوں کے خورد و نوش کا سامان اور تو ان سب کا بادشاہ و حکمراں، اس احدی نوجوان کو کون یاد دلائے کہ جن کی تو ریس کرتا ہے وہ تیرے پاؤں کی گرد بھی نہیں۔ تیرا اور ان کا کوئی مقابلہ ہی نہیں وہ غلام اور

تو اقوامِ عالم کا نگہبان، تیری ہر جنبشِ ابرو سے قوموں کی تقدیریں وابستہ، تیرا ہر ہر لمحہ قیمتی، تیرا جینا قوموں کی حیات اور تیری موت قوموں کی بربادی ہے، جب سے تو سویا یہ انجمن سونی ہو گئی ہے، تیری مدہوشی سے یہ میخانہ ویرانہ بن گیا ہے، چاند ستارے تیری بیداری کے آرزو مند ہیں، فلکِ پیر تیری غفلت کی صبح کا منتظر ہے۔ دنیا کی قومیں گمراہ رہی اور دم توڑ رہی ہیں، پوری دنیا منھ پھاڑے کسی چیز کے انتظار میں ہے، مردِ حق کی آواز کے لئے دنیا کے کان کھڑے ہوئے ہیں، اب دیکھئے یہ قوموں کی بلندی و پستی کا مالک کب جاگتا ہے اور کب اس پیاسی دنیا کو جامِ توحید پلا کر ہوش میں لاتا اور اس کا رُخ پھیر کر خدا کی راہ پر چلاتا ہے۔ انتظار! انتظار!

محمد عبد اللہ دہلوی

مقیمِ حال مدرسہ عربیہ منظاہر العلوم سیلم

(صوبہ مدراس)

یومِ عید الاضحیٰ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۶۹ء

نفل نمازیں

نفل نمازوں کی اہمیّت اِس سے ظاہر ہے کہ دن رات میں اگر فرض نماز کی سترہ رکعتیں ہیں تو سنّتیں اور نوافل اس سے کئی گنی ہیں ۔ لیکن اس کے باوجود اب تک کوئی کتاب نہ اردو میں ایسی تھی جس میں سنّتوں اور نوافل کا تفصیلی بیان ہو اور نہ عربی میں مستقل طور پر اس پر کچھ لکھا گیا تھا۔

اِس موضوع پر یہ پہلی بار قلم اُٹھایا گیا ہے جس میں سنّتیں و نوافل کی ضرورت و اہمیّت، نوافل کی جماعت، ان کے ضروری احکام تمام وقتیہ اور غیر وقتیہ نوافل کے الگ الگ فضائل و احکام بہت تفصیل سے نہایت مستند طریقے پر لکھے گئے ہیں۔

(زیرِ طبع)

مکتبہ نورُ رحمت بلڈنگ بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی ۱۳